روحانی دنیا

پروفیسر سیّد عبد الماجد
سابق صدر شعبۂ عربی و فارسی و اردو گورنمنٹ کالج مظفر پور
و سابق اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات اسلامی بہار

ناشر
مکتبہ دار الفکر دیوبند

طبع اول ——— جنوری سنہ ۱۹۶۰ء

قیمت : بارہ آنے ۱۲؍
0/12/0

مطبوعہ
(کوہ نور پریس لال کنواں دہلی)

تعارف

از سید محمد مجتبیٰ ایم اے ۔ بی ۔ ایل (بہار)

حضرت الاستاذ پروفیسر سید عبدالماجد صاحب مدظلہ العالی کی زیر نظر کتاب "روحانی دنیا" کو ناظرین سے متعارف کرانا راقم الحروف اپنے لئے ایک باعث افتخار فریضۂ سعادت سمجھتا ہے۔

عنوان و مضامین کتاب ایسے گہرے ہیں کہ ان پر کسی عامی کا قلم اٹھانا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر حضرت الاستاذ کی اس تصنیف کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے ان کی زندگی کا مختصر سا خاکہ بھی باعث تزئین کتاب ہوگا۔ اس لئے مصنف مدظلہ کی زندگی کو بھی مختصراً سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

مصنف مدظلہ العالی کی پیدائش ۳ر مارچ سنہ ۱۸۹۳ء مطابق ۱۰ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۰ھ موضع پچر وکھی ڈاکخانہ جہت (اکبر پور) تھانہ نوادہ ضلع گیا ریاست بہار میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حاجی سید عابد حسین صاحب ایک چھوٹی سی زمینداری کے مالک تھے۔ آپ کے دو بڑے بھائیوں کو بڑے شد و مد سے انگریزی تعلیم دلائی گئی

تھی، مگر آپ کو بچپن ہی سے دینی تعلیم کے لئے منتخب کر رکھا گیا تھا، یوں تو یہ وہ زمانہ تھا کہ جب صوبہ بہار میں عام طور پر شرفا کے گھرانوں میں مخصوص طور پر مذہبی تعلیم کا رواج تھا مگر ہر خاندان میں خاص طور پر ایک بچہ ضرور دینی تعلیم کے لئے وقف کر دیا گیا چنانچہ یہی حال حضرت ممدوح کا بھی ہوا۔ اللہ نے آپ کے والدین کی آرزو پوری کر دی اور اپنی رحمت کاملہ سے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم اور اس کے ملحقات سے بھی کافی حد تک واقفیت بخشی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم شرح وقایہ اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ تک قصبہ سہرام ضلع شاہ آباد میں پائی، بعدہ کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کے نصاب کی تکمیل کر کے وہاں کا آخری امتحان پاس کیا۔ حدیث اور معقولات مولانا عبدالعزیز صاحب سرحدی سے پڑھی جو مدرسہ رضانیہ کے مدرس اول تھے۔ مارچ ۱۹۱۳ء میں میٹرکولیشن کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۱۴ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ سے عربی کی تکمیل کر کے اسی سال ۱۳ ستمبر کو بھومیہار برہمن کالج مظفر پور (بہار) میں عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے، یہ کالج اس وقت لنگٹ سنگھ گورنمنٹ کالج کے نام سے شمالی بہار کی مشہور ترین درسگاہ تھی۔ ستمبر ۱۹۳۰ء سے ۱۹۵۰ء تک کامل بیس سال آپ عربی و فارسی اور اردو کے شعبوں کے صدر رہے، ۲۲ نومبر ۱۹۵۰ء کو آپ پنشن پاکر اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے۔ مگر محکمۂ تعلیم بہار کو پھر بہت جلد آپ کی خدمت کی ضرورت محسوس ہوئی اور جنوری ۱۹۵۱ء سے نومبر ۱۹۵۱ء تک اسسٹنٹ ڈائرکٹر اسلامک اسٹڈیز کے عہدے پر مامور کئے گئے۔ آپ عرصۂ دراز سے پٹنہ و بہار یونیورسٹی

کے عربی و فارسی کے، بی اے اور ایم اے کے بورڈ آف اسٹڈیز (مجلس تعین نصابات) و بورڈ آف ایگزامنرز (مجلس ممتحنین) کے ممبر اور صدر رہتے چلے آتے ہیں اور ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۳ء تک آپ عربی لکچروں اور پروفیسروں کے تقرر کے متعلق پبلک سروس کمیشن (بہار) کے مشیر مخصوص رہے۔

اس تمام عرصہ درس و تدریس میں علوم متداول کے مطالعہ کا خاص شغف رہا اور مظفر پور کالج کے انگریز اور ہندوستانی پرنسپلوں نے بارہا آپ کے مطالعہ میں انہماک پر حیرت کا اظہار کیا اور کالج کے عظیم الشان کتب خانہ کا رجسٹر آج بھی شاہد ہے کہ کالج کے اساتذہ میں آپ کے نام پر سب سے زیادہ کتابیں جاری کی جاتی تھیں کالج کے ماسوا تمام اوقات گھر پر کتابوں کی جھرمٹ میں بسر ہوتے اور جب کبھی موقعہ ہوتا آپ کے گھر پر بھی علمی مجلس منعقد رہتی اور کوئی صحبت گہری علمی موشگافیوں سے خالی نہ جاتی۔

مختلف عنوانات، مذہبی، ادبی، تاریخی اور عمرانی و معاشی مسائل پر مضامین لکھنا بھی آپ کا ایک خاص مشغلہ تھا۔ ۱۹۲۹ء میں ایک مختصر تاریخ فارسی (..... A Brief History of Persian) طبع کرائی جو اس وقت سے اب تک پٹنہ، بہار اور اتکل (اڑلیسہ) یونیورسٹیوں کے بی اے آنرز کے نصابات میں داخل ہے۔

آپ کو فلسفۂ نفسیات سے خاص دلچسپی رہی، انشاء اللہ اس موضوع پر بہت جلد آپ کی ایک کتاب طبع ہو کر منظر عام پر آجائے گی۔

آپ کو شعر و شاعری کا بھی ابتدا ہی سے ذوق رہا۔ اختر تخلص کرتے ہیں آپ کا دیوان مرتب ہو چکا ہے اور طباعت کے لئے طیار ہے۔

آپ کی زندگی کنبہ و اقربا پروری، سخاوت اور فراخ دلی کا ہمیشہ بے مثل نمونہ رہی ہے۔ آپ نے طباعت و اشاعت میں اپنا سرمایہ لگانا ہمیشہ غیر ضروری سمجھا اس لئے آپ کا علمی سرمایہ جو ضخیم مسودات کی شکل میں جمع ہے ابتک منظر عام پر نہیں آسکا۔ گہرے علمی مضامین کی کتابیں آج بازار علم میں مقبول نہیں اس لئے سرمایہ دار مطابع بھی اس کساد بازاری کو دیکھکر دقیق علمی کتابوں کی طباعت و اشاعت کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ افسانوں اور ناولوں کی مقبولیت عام ان کی تاجرانہ کوششوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اے کاش ہمارے سرمایہ دار مطابع حقیقی معنوں میں علوم کا چشمہ جاری کرنے کی طرف متوجہ ہوں اور پائدار علمی تحقیقاتوں کی اشاعت میں سرمایہ لگانے پر متوجہ ہو جائیں اور

عَلَّمَ الِانْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ

کے فیضان رحمت کو جاری کرنے میں مصنفین و مؤلفین کا ہاتھ بٹائیں۔

اس کتاب کا مضمون واضح ہے، آج مادیات کی ترقیاں جن بلندیوں تک پہنچ چکی ہیں ان کا اقتضا یہ ہے کہ انسان کو انسانی روح کے متعلق بھی کماحقہ معلومات بہم پہنچانی چاہئیں۔ چنانچہ انسان کی اس روحانی تڑپ کو دور کرنے کے لئے امریکہ اور انگلستان میں نفسیاتی تحقیقات کی انجمنیں قائم کی گئی ہیں اور روحانی
(PSYCHICAL)

مراسلات ہونے لگے ہیں۔ مگر آج سے چودہ سو برس قبل بانی اسلام علیہ السلام نے اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی ہے جس سے مغرب کی دنیا صحیح طور پر واقف نہ ہو سکی۔

اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ اس موضوع پر جو جدید تحقیقات ہوتی ہیں ان سے اردو داں طبقہ کو بھی واقف کیا جائے، اس موضوع پر اسلامی تعلیمات اور تحقیقات جدید کے تقابل کے بعد مسئلہ تناسخ کا خود بخود بطلان ہو جاتا ہے اور اسلامی عقیدے کی تصدیق ہوتی ہے، اس لئے اس کتاب میں اشاعت سے ایک تبلیغی فریضہ بھی ادا ہو رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ کتاب ہندی زبان میں بھی شائع کیجائے۔

پروفیسر صاحب موصوف نے اس مضمون کو انگریزی زبان میں بھی ادا کیا ہے جو (Life After Death) کے عنوان سے لکھا ہوا طیار ہے۔
آپ کا یہ مضمون کالج کے مخصوص خارجی لکچروں میں اساتذہ اور طلبۂ کالج سے داد تحسین پا چکا ہے۔ امید ہے کہ پروفیسر صاحب مدظلہ جلد از جلد انگریزی کا رسالہ بھی شائع کرا دیں گے۔

پروفیسر صاحب کی ذات گرامی کے متعلق میں بجز اس کے کیا کہوں کہ راقم الحروف کے پاس جو کچھ سرمایۂ علم و تہذیب ہے اس میں آپ کے سایۂ شفقت و بذل علم و تہذیب کا بہت کچھ حصہ ہے۔ اپنی تیس سالہ خدماتِ علمی

آپ نے ہزاروں فرزندان علم کو زیورِ علم سے آراستہ کیا، آپ کی ذات اُن تمام اخلاق عالیہ کی حامل ہے جو علمار سلف کی یادگار ہے، آپ کی شخصیت مجسم ایثار، سراپا علم و حلم و راست بازی و پاکیزگی نمونہ ہے اور راقم الحروف کی طرح ہزاروں شاگردوں کا آج تک روحانی سہارا ہے، جس کے لئے خدا سے دعاگو ہوں کہ عرصۂ دراز تک قائم رہے۔

سید محمد مجتبیٰ ایم۔ اے۔ بی۔ ال،
(بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لائق داد ہے وہ جس نے کائنات کو اپنی قدرت کاملہ سے ظہور بخشا اور ذرّے ذرّے میں اس قدر اسرار اور عجائب بھر دئیے کہ ان کا ادراک انسان کیلئے ناممکن ہے اک خاک کو دیکھئے بدرنگ تو ہے لیکن اسمیں اک چھوٹا سا دانہ چھپا دیجئے تو اس سے سرسبز و شاداب پودا نمودار ہوتا ہے اور اس پودے سے مختلف رنگ کے پھول اور پھول میں خوشبو پھر نفیس پھل اور پھل میں ذائقہ اور علاوہ اس سے قوت اور اس قوت سے وہ تخم جس سے انسان کی پیدائش ہوئی۔

کوئی کیا بتائے کہ اللہ کی مخلوق میں کیا کیا صفات اور کمالات پوشیدہ ہیں انسان خود اپنی ذات کو دیکھے تو متحیر ہو جائے کہ وہ کتنے عجائبات کا مجموعہ ہے۔ اک قوت متخیلہ کو دیکھا جائے کہ اسمیں کیسے کیسے خاکے نظر آتے ہیں اس کی ذات کا اک اہم جز روح ہے ابتک یہ پتہ نہیں چلا ہے کہ روح کیا ہے اور یہ کیا کرشمہ دکھا سکتی ہے۔

آج کل یورپ اور امریکہ کی اک تعلیم یافتہ جماعت روحانیات کی تحقیقات میں مصروف ہے اور اس سے بہتیرے ایسے مسئلے متحقق ہو رہے ہیں جن کی تحقیق سے آج تک فلاسفہ کے دماغ عاجز تھے۔ امید کیجاتی ہے کہ جو اختلافات مسائل

روحانیات میں ابتک بھٹکے کچھ دنوں میں دور ہو جائیں گے اور ہم اپنے آپ کو ایک ایسی فضا میں پائیں گے جہاں روح و مادہ کی وسیع دنیا کے مشاہدات ہمارے سامنے ہوں گے۔

چونکہ اس مسئلہ سے ہر شخص کو دلچسپی ہے اس لئے میں اس پر مختلف نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالنا چاہتا ہوں تاکہ اردو دنیا بھی ان انوکھے انکشافات سے بے خبر نہ رہے اور ہمارے قدیم معتقدات سے بھی مناسبت پیدا ہو جائے۔

تناسخ کے معتقدین کا عقیدہ ہے کہ جب روح ایک جسم سے الگ ہونے لگتی ہے تو اس سے قبل کسی دوسرے جسم سے تعلق پیدا کر لیتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جب کوئی پتنگا ایک گھاس سے دوسری گھاس پر جانا چاہتا ہے تو وہ اپنے پچھلے پاؤں اس وقت اٹھاتا ہے جب اگلے پاؤں دوسری گھاس پر جما لیتا ہے۔ بعض ہندو محقق یہ کہتے ہیں کہ ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے میں گیارہ دن کا فصل ہوتا ہے۔ اس درمیان میں روح استراحت کرتی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کو دوسرے جسم سے تعلق پیدا ہی نہیں ہوتا بلکہ دوسرے جسم میں اپنا عمل شروع نہیں کرتی اور معطل رہتی ہے اس لئے حقیقۃً کوئی فصل نہیں ہوتا۔ اس نظریہ کے ساتھ ہنود روحانی تخاطب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مردوں کی روح طاقت احساس رکھتی ہے

تکلیف و راحت سے متاثر ہوتی ہے اسی بنا پر عذاب قبر پر ایمان ہے۔ بعض روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ روح کلام سنتی ہے، جواب دیتی ہے، دعا اور بددعا کرتی ہے، اپنے یگانوں کے خیر سے خوش اور شر سے ملول ہوتی ہے، نیک روحیں اللہ کی نعمتوں سے مستفید ہو کر مسرور ہوتی ہیں، بد روحوں کو جب عذاب ہوتا ہے تو واویلا کرتی ہیں جس کو انسان اور جن کے سوا سب سنتے ہیں۔

قبل اس کے کہ مردوں کے ارواح کی حالت بیان کیجائے ضرورت ہے کہ روح کے متعلق یہ بتا دیا جائے کہ روح کونسی شے ہے اور ہمارا مذہبی عقیدہ اس کے متعلق کیا ہے کیونکہ روح کی عام صفت معلوم کر لینے کے بعد ہم مردوں کی روح کی نوعیت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم نے روح کی وضاحت نہیں کی اور انسان کو بتا دیا ہے کہ وہ روح کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتے جیسا کہ آیۂ کریمہ:-

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔

(بنی اسرائیل ع ۱۰)

(لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ روح خدا کی چیز ہے (یا خدا کا حکم ہے) (حقیقت یہ ہے) کہ تم کو سمجھ کم دی گئی ہے (تم روح کی حقیقت سمجھ نہیں سکتے)

سے ظاہر ہے لیکن جن لوگوں کو اس کی شان نزول سے واقفیت ہے وہ یہ سمجھتے

ہیں کہ اس جواب سے روح کی حقیقت پر پردہ ڈالنا مقصود تھا یا یہودیوں کی اس شرط کو پورا کرنا تھا جو انہوں نے تصدیق نبوت کے لئے قائم کی تھی۔ یہاں پر مجھے اس واقعہ سے بحث نہیں، بادی النظر میں اس آیت سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک یہ کہ روح کی نسبت باری تعالیٰ نے براہ راست اپنی طرف کی ہے، دوسری یہ کہ روح کی حقیقت عقل انسانی سے بالاتر ہے، اس نسبت خاص سے روح کی وسعت اور اس کی کمال صلاحیت ثابت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ لفظ امر کس قدر وسیع معنیٰ رکھتا ہے، امر ربی کی صفت کے بعد روح سے جو جو کرشمے ظاہر ہوں اور جن جن عجائبات کا مشاہدہ ہو وہ کم ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ روح اس سے قاصر ہے یا یہ امر ان کے لئے محال ہے البتہ ان کے سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے اور ان کو کماحقہ جاننا ہمارے لئے محال ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ کس کو نہیں معلوم، خاک کے پتلے کا نفخ روح کے بعد مسجود ملائکہ ہو جانا اس کی عظمت، بزرگی، صلاحیت اور لیاقت پر خود دلیل ہے، یہ روح تھی جس کو سجدہ کرایا گیا تھا، ورنہ یہ خاکی پتلا کس لائق تھا۔

انسان میں دیکھنے، سننے، سوچنے، سمجھنے، عمل کرنے کی جتنی طاقتیں ہیں وہ محض روح ہی سے متعلق ہیں، روح جسم سے الگ ہونے کے بعد ایک افضل عالم، مدبر اور حکیم انسان کے دل و دماغ اور سارے اعضا جن سے وہ حیرت انگیز کام کیا کرتا تھا بیکار محض ہی نہیں بلکہ قابل نفرت ہو جاتے ہیں، اگر کچھ دیر

تک دفن نہ کر دیا جائے یا جلا کر خاک نہ کر دیا جائے تو جسم متعفن ہو جائے، ہم آپس میں ایک دوسرے کو "ہم" یا "تم" سے خطاب کرتے ہیں یہ خطاب روح کیلئے ہے کیونکہ جسم سے روح نکل جانے کے بعد نہ ہم صادق آتا ہے نہ تم۔ یہ خطابات روح کیلئے صادق آتے ہیں، تفصیل آگے آتی ہے۔

روح کے میدان عمل کا وسیع ہونا زندگی ہی میں ثابت ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے کہ ہم اپنی آنکھوں سے تھوڑی دور سے زیادہ نہیں دیکھ سکتے لیکن جب آنکھیں بند کر کے تصور کرتے ہیں تو ایک دنیا نظر کے سامنے ہوتی ہے۔ انسانی معلومات کو دیکھا جائے تو وہ سطح دماغی کی وسعت سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں لیکن ہمارے عالم تصور و ادراک میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اگر نظر تحقیق سے دیکھا جائے تو اس کا تعلق محض دماغ سے نہیں بلکہ روح سے ہے اگر دماغ سے ہوتا تو ایسی چیزوں کا تصور جو سطح دماغی سے وسیع ہیں محال ہوتا۔ اک شئی وسیع کا چھوٹے ظرف میں سمانا محال ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے پہاڑ کا فوٹو چھوٹے چھوٹے کارڈ پر اتر آتا ہے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تصور میں اک شئی اپنی وسعت ظاہری سے چھوٹی نہیں نظر آتی بلکہ کبھی کبھی اسکی وسعت تصور میں آکر اور بڑھ جاتی ہے۔ اس کے قرب و بعد، طول و عرض، گہرائی اور بلندی کا بھی احساس ہوتا ہے اور بعض خصوصیات باطنی کا بھی مثلاً چھوٹا گلوب ٹیبل پر دیکھ کر ہمارا ذہن زمین کی گولائی کا تصور کرتا ہے اس کے برعکس اسی گلوب کا عکس فوٹو میں اکثر اس سے چھوٹا ہی ہوتا ہے اور دماغ میں اک وسیع دنیا کا تصور مع اس کے پہاڑوں اور دریاؤں کے ایک خاص انداز میں پیدا ہوتا ہے

ذہن محض گلوب کا عکس نہیں لیتا بلکہ اس گلوب کی توسیع کرتا ہے اور زمین کی اصلی شکل کے مشابہ ایک نقشہ قائم کرتا ہے۔

روح کی وسعت اور جولانی کا پتہ خواب سے چلتا ہے جب تک روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے اس کا احساس حواس خمسہ تک محدود رہتا ہے اور حواس خمسہ کا عمل ایک مخصوص دائرہ کے اندر محدود ہے لیکن جب روح اعضاء جسمانی کو معطل کر کے عالم ارواح کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو دور دور کی سیر ایک آن میں کر آتی ہے۔ رؤیا بعض ماہرین نفسیات کے نزدیک خود ایک عقدۂ لاینحل ہے اس لئے اس موقعہ پر یہ بحث چھیڑنا اصل مبحث سے دور جانا ہے۔ البتہ اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ فرائڈ نے اپنی کتاب سائیکالوجی آف انٹرپریٹیشن آف ڈریم (Psychalogy of interpretation of dream) میں خواب کو محض بے اصل ثابت کیا ہے، اس کے خیال میں انسانی خواب ان ہی تصورات ذہنی کا اعادہ ہے جن کو اس کے حواس خمسہ نے بیداری میں حاصل کیا ہے۔ انسانی خواب میں کوئی نئی بات جو آئندہ ہونے والی ہے نہیں دیکھ سکتا میں نے اس مسئلہ پر مدلل کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس میں نفسیات کے مغربی محققین ہی کی رائے سے رویاء صادقہ کو ثابت کیا ہے اور تجربات سے اس کی تائید کر کے اصول قائم کئے ہیں اور یورپ نے فرائڈ کی اس تحقیق کی داد دیکر اس مسئلہ کو اسکی زندہ اختراع قرار دیا ہے اس کی مخالفت کی ہے، اس فلسفی نے ایک مغالطہ کی بنا پر دھوکہ کھایا ہے یعنی میٹافزکس (Metapinysies) مابعد الطبعیات کے مسئلہ کو سائکالوجی

میں ٹھونسنے کی کوشش کی ہے، یہاں پر صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ ہمارے ہزاروں تجربے شاہد ہیں کہ خواب میں ہم اکثر غیر معلوم چیزوں کو دیکھتے ہیں اور اس کی شرعی دلیل بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ	حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
صلی اللہ علیہ وسلم لم یبق من	کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
النبوۃ الّا المبشرات قالوا	نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا مگر
وما المبشّرات ؟ قال الرؤیا	مبشرات۔ لوگوں نے پوچھا مبشرات
الصالحۃ ۔ (بخاری)	کیا ہیں ؟ فرمایا سچے خواب ۔ (بخاری)

قرآن شریف سے پتہ چلتا ہے کہ خواب میں روح کا تعلق جسم سے ایک حد تک منقطع ہوتا ہے

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا	اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت
وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ	قبض کر لیتا ہے اور جو نہ مری ہیں ان کو
الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہِ الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ	نیند کے وقت پس جس کے بارہ میں
الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ	اس نے موت کا فیصلہ کر دیا ہے اس کو
الزمر ع ۵	روک لیتا ہے اور دوسری کو ایک مدت
	معینہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے

دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ	اور وہی ہے اللہ جو تمکو رات کو وفات دیتا ہے

پہلی آیت کا مطلب پورا پورا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے

قَالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ	فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب
وسلم اذا اوی احدکم الی	کوئی سونے کے لئے اپنے بستر پر جائے
فراشہ فلینفض فراشہ	تو اپنے تہمد کے اگلے حصہ سے اپنے بستر
بداخلۃ ازارہ فانہ مایذری	کو جھاڑے کیونکہ اسکو نہیں معلوم کہ اسکی لاعلمی
ماخلفہ علیہ فیقول باسمکؐ	میں اس پر کیا پڑا ہے۔ پھر کہے کہ خدایا
ربّی وضعت جنبی وبک ارفعہ	تیرا نام لیکر اپنا پہلو رکھتا ہوں اور تیری
ان امسکت نفسی فارحمہا	ہی مدد سے اس کو اٹھاؤں گا اگر تو نے
وان ارسلت فاحفظہا بما	میری روح کو روک دیا تو اسپر رحم فرما اور اگر تو نے
تحفظ بہ عبادک الصالحین	اسکو لوٹا دیا تو اسکو محفوظ رکھ جس طرح تو
(متفق علیہ)	اپنے نیک بندوں کو محفوظ رکھتا ہے

دوسری روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

قدکان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم	جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر
اذا اخذ مضجعہ من اللیل	مبارک پر تشریف لیجاتے تھے اپنے
وضع یدہ تحت خدہ ثم یقول	رخسار مبارک کے نیچے اپنا ہاتھ رکھتے
اللّٰھُمَّ باسمک اموت واحیٰ	اور فرماتے اے خدا! تیرے ہی نام کے
واذا استیقظ قال الحمد للّٰہ	ساتھ مرتا ہوں اور جیتا ہوں اور جب

الذی احیانا بعد ما اماتنا	بیدار ہوتے تو فرماتے تعریف اس خدا کی
والیہ النشور۔	ہے جس نے ہم کو مارنے کے بعد جلایا اور
متفق علیہ	اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند اور موت میں فرق ہے کہ نیند میں گو روح اور جسم کا تعلق بالکل منقطع نہیں ہو جاتا مگر بیداری کے جیسا نہیں ہوتا اور دونوں میں ایک طرح کی بے تعلقی ہو جاتی ہے اور موت میں قطعی طور پر روح اور جسم میں انفصال ہو جاتا ہے، اور جب روح جسم سے کسی قدر علیحدہ ہو جاتی ہے تو اس کی طاقت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور وہ اک وسیع عالم سے تعلق پیدا کر لیتی ہے اس لئے خواب میں دور دور کی چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں اور جن چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا ہے دیکھ لیتی ہے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ جب روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے تو بالکل معطل ہو جاتی ہے اور اس میں سننے، سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت مطلقاً نہیں رہتی، اس لئے پہلے ہم کو روح کی حقیقت پر غور کر لینا چاہیے کہ وہ کیا ہے اور اس میں سننے دیکھنے اور سمجھنے کی طاقت اصلی ہے یا محض اعضا جسم انسانی پر موقوف ہے

اس آیت کریمہ:

کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ	تم مردہ تھے اللہ نے تم کو زندہ کیا پھر
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔ (البقرہ)	تم کو مارے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا۔

کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس زندگی سے پہلے تم مردہ تھے اللہ تعالیٰ نے اس زندگی

میں لایا، اس کے بعد پھر وہ موت دے گا اور اس کے بعد قیامت میں جسم کے ساتھ پھر جلائے گا اور یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ پہلی موت کیا تھی اور وہ عالم جس کو موت کہا گیا ہے وہ کیا ہے۔ سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب روح جسم سے الگ تھی اس حالت کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے پھر جب روح جسم سے نکال لیجائیگی تو روح پر پھر موت کی صفت صادق آئے گی اور جب قیامت میں اللہ پاک اس کو جسم میں داخل کر کے اٹھائے گا تو پھر حیات کی صفت صادق آئے گی۔ یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے :-

قَالُوا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ — وہ کہیں گے مالک ہمارے تونے دو مرتبہ
وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْن . — ہمکو موت دی اور دو مرتبہ حیات دی

ورنہ دو موتیں کون ہوں گی۔ اگر یہ کہا جائے کہ قبر میں سوال نکیرین کے وقت جب جسم میں روح لائی جائے گی اور پھر جسم سے علیحدہ کر دیجائے گی تو دو موتیں ہو جائیں گی مگر اس صورت میں موت تو ٹھیک دو ثابت ہو جائیں گی لیکن حیات تین ہو جائینگی ایک اس عالم کی حیات، دوسری سوال قبر کے وقت کی حیات، تیسری قیامت کی حیات لہذا قبر کی حیات و ممات کو شمار میں لانا صحیح نہ ہوگا کیونکہ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا سے ظاہر ہے کہ حیات دنیا کے قبل کی حالت کو موت کہا گیا ہے۔

اس مضمون کا مقصد روحانی طاقت کا اثبات ہے۔ ہمارے نزدیک روح میں ایک حد تک ہمیشہ صلاحتیں موجود تھیں اور رہیں گی، روح جسم کی محتاج نہیں

ہے بلکہ جسم روح کا محتاج ہے۔ آیۃ میثاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیات جسمانی سے پہلے روحوں میں عقل و ادراک کی صلاحیت موجود تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :-

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىْ اٰدَمَ — اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ — صلب سے انکی اولاد کو نکالکر ان کو انکی
اَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ — ذات پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب
بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ — نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا بیشک
تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا — ہم اقرار کرتے ہیں۔ تاکہ تم قیامت کے
غَافِلِيْنَ ٥ — دن یہ نہ کہدو کہ ہم اس سے بے خبر
(اعراف ع ۲۲) — تھے۔

اگر ارواح میں ادراک کی طاقت نہ تھی تو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اور قَالُوْا بَلٰى کے کیا معنیٰ، اور اگر روح میں مرنے کے بعد احساس نہ ہوگا تو عذاب قبر جو اہل سنّت و الجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے اک معمہ ہو کر رہ جاتا ہے، درحقیقت تمام شبہات کی بنیاد ان آیات کریمہ

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا — آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے اور نہ
تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ (روم ع ۵) — بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں۔

اور :-

وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِىْ — اور آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو

الْقُبُوْرِ . (سورہ فاطر ع - ۳) قبروں میں ہیں

کو غلط سمجھنے کی بنا پر ہے، اگر ان کے ماقبل و مابعد کی آیات کو پیش نظر رکھا جائے تو ان ٹکڑوں کا مقصد خود واضح ہو جاتا ہے پوری آیت یہ ہے :-

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ	آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے آپ حق پر ہیں
وَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ	آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں اور نہ
الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ	بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جب وہ منھ
وَمَا اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ	موڑتے ہوں، اور آپ اندھوں کو گمراہی
اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا	سے راہ پر نہیں لا سکتے اور نہ کسی کو سنا
فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥	سکتے ہیں سوا ان لوگوں کے جو ہماری
(نمل ـ ع ـ ۶)	آیتوں پر ایمان لاتے ہیں بس وہی
	مسلمان ہیں ۔

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ آیات اس واقعہ سے متعلق ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے کفر پر قائم رہنے سے بے دل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں کیونکہ وہی ہدایت کرنے والا ہے۔ اللہ پاک یہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ آپ بر حق ہیں، اس کے بعد فرماتا ہے کہ آپ روگردانی کرنے والے مردوں اور بہروں کو اپنی ہدایت سنا نہیں سکتے ساتھ ہی ساتھ فرماتا ہے کہ مومنوں کے سوا کسی کو نہیں سنا سکتے۔ اس ٹکڑے کے ہوتے ہوئے کیا یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ سنانے سے محض جسمانی سماعت مراد ہے

ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ مومنوں کے سوا کسی کو نہیں سنا سکتے تھے اس لئے کہ سارے کے سارے کفار بہرے نہیں تھے ان کے کان موجود تھے اور وہ گفتگو سنتے تھے اس لئے یہاں پر سنانے سے مراد ہدایت سے نفع پہنچانا ہے چنانچہ اکثر مفسرین نے تُسْمِعُ کے معنیٰ "تفہم یا تنفع" لکھے ہیں یعنی آپ ان کو جن کے دل مردہ ہیں نہیں سمجھا سکتے۔ اس تشبیہ کے متعلق قاضی بیضاوی فرماتے ہیں

شُبِّهُوا بالموتى لعدم	مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے اس
انتفاع باسماع ۔	لئے کہ وہ سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے

ظاہر ہے کہ مردے ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، کیونکہ صلاحیت اعمال شرعیہ مفقود ہے۔ تفسیر خازن میں ہے انك لا تسمع الموتى یعنی موتى القلوب یعنی جن کے دل قبول حق سے مردہ ہیں۔ صاحب مدارک فرماتے ہیں :-

لما كانوا لا يعملون بما	جو کچھ وہ سنتے ہیں اس سنے ہوئے پر
يسمعون ولا به ينتفعون	عمل نہیں کرتے اور نہ اس سے فائدہ
شبهوا بالموتى ۔	اٹھاتے ہیں، اس لئے مردوں سے تشبیہ دی گئی

اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس تشبیہ سے مراد عدم انتفاع ہے نہ کہ عدم سماع یعنی، سنا نہیں سکتے سے مراد ہے کہ منوا نہیں سکتے اور اس سے فائدہ نہیں پہونچا سکتے اور اس سے فائدہ نہیں پہونچا سکتے، اس میں شک نہیں کہ ہدایت سے مردوں کو فائدہ نہیں ہو سکتا اور :

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ	مومنوں کے سوا کسی کو نہیں سنا سکتے

سنانے کے معنی واضح ہو جاتے ہیں، یہ بھی مفسرین نے فرمایا ہے کہ:

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ	جب روگردانی کرتے ہیں

کی صفت موتیٰ اور صمّ یعنی مردوں اور بہروں دونوں کے لئے ہے اور عبارت یوں ہوتی ہے کہ جب مردے اور بہرے روگردانی کریں تو آپ ان کو سنا نہیں سکتے ہیں، مردوں کی روگردانی بے معنی ہے اس لئے لامحالہ موتیٰ سے مراد مردہ دل کفار ہی ہیں۔

دوسری آیت جو عدم سماعِ موتیٰ کی دلیل میں پیش کیجاتی ہے اس کو دیکھا جائے اور سباق کلام پر غور کیا جائے

وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ	نہیں برابر ہیں اندھے اور آنکھ والے
وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ وَلَا	اور نہ تاریکی اور نہ روشنی، اور
الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ وَمَا	نہ سایہ اور نہ دھوپ اور نہ زندہ
یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ	اور نہ مردہ، اللہ جس کو چاہتا ہے
اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ	سناتا ہے آپ ان کو نہیں سناتے
وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ	جو قبروں میں ہیں، آپ صرف
فِی الْقُبُوْرِ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ	ڈرانے والے ہیں۔

(فاطر ع - ۳)

یہاں پر بھی قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے کہ آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے

ہیں، فرما دیا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے، اس حکم کی تعمیم سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زندہ انسان کو اللہ چاہتا ہے سناتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نہیں سناتا ہے، انسان نہیں سناتا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ پاک اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے اور نبی کے فعل کو اپنے فعل کے تابع بتاتا ہے، جیسا کہ فرمایا

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ	یعنی آپ نے جب تیر پھینکا تو آپ نے نہیں پھینکا
وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۔ (انفال ع۲)	بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا ہے۔

اس کا منشا یہ ہے کہ آپ نے پھینکا تو سہی لیکن اس کا نشانہ پر پہنچکر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی استعانت پر موقوف تھا، یہ امر مسلّم ہے کہ انسان کا ہر کام اللہ کی استعانت کا محتاج ہے، مُردوں کا کیا ذکر ہے زندوں کو کلام سنانا بھی خدا ہی کا کام ہے یعنی فعل ہمارے بس میں ایک حد تک ہے لیکن نتیجہ ہر فعل کا اس فعالِ حقیقی کی قدرت واختیار میں ہے۔

چونکہ کفار کے اصرارِ کفر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے دلی ہو جاتی تھی اس لئے باری تعالیٰ تسلّی دیتا ہے کہ ان کا ایمان لانا نہ لانا میری مشیت پر موقوف ہے، وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ یا اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ فرماکر آپ کو قبول ایمان کی ذمہ داری سے بری قرار دیا ہے تاکہ آپ کو اس کا اندیشہ نہ ہو کہ کفار کے ایمان نہ لانے سے مَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَکَ کا حکم صادق نہ آجائے اس خدشہ کو رفع کرنے کی غرض سے رسول کو ان آیتوں سے تسلّی دیتا ہے اس میں سماع یا عدم سماع

موتی کی بحث کا ثبوت نہیں ہوتا اور نہ یہ مقصود ہے ۔

عدم سماع نہ ثابت ہونے سے سماع موتی کا ثبوت لازم نہیں ہے اس لئے اب روح کے احساس اور سماع کی دلیل نصوص سے پیش کیجاتی ہے ، اس سلسلہ میں پہلے تو یہ عرض کرنا ہے کہ شہدار کی روح کی طاقت سماع اور قوت احساس سے شاید کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی دلیل میں صریح آیتیں موجود ہیں

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ	جو خدا کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کو
اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ	مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن
لَا تَشْعُرُوْنَ ۔ (بقرہ ع ۱۹)	تم نہیں سمجھتے ہو ۔

اس آیت کریمہ سے حیات شہدار ثابت ہوتی ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ حیات کس قسم کی ہوگی اور اس میں احساس وادراک بھی ہوگا یا نہیں ، گو حیات کا لفظ ان چیزوں کو مستلزم ہے جنکی توضیح ان آیات سے ہوتی ہے ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ	جو خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں انکو
سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ	مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں ، اپنے خدا
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ	کے پاس روزی پاتے ہیں ، خوش
بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ	ہوتے ہیں اس سے جو اللہ تعالیٰ نے
وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ	ان پر فضل کیا ہے اور ان کو مسرت
يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ	ہوتی ہے ان لوگوں کے لئے بھی جو

اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ	ابھی ان کے بعد آکر ان سے ملے نہیں
يَحْزَنُوْنَ ۘ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ	کہ ان کو کوئی خوف نہیں اور وہ ملول
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ	نہیں ہوں گے ، خوش ہوتے ہیں اللہ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ	کی نعمت اور اس کے فضل سے اور
(سورۃ ال عمران)	اس امر سے کہ اللہ ایمان والوں کی کمائی
(رکوع - ۱۷)	ہرگز ضائع نہیں کرتا ۔

ان آیات سے حیات کے ساتھ رزق پانا ، خوش ہونا ، اپنے دوسرے بھائیوں کیلئے مسرور ہونا ، اللہ کی نعمت اور اس کی زیادتی سے سرور حاصل کرنا اور یہ سمجھکر خوش ہونا کہ اللہ مومنوں کی کمائی کو ضائع نہیں فرماتا جس سے ادراکات بشریہ کا وجود ثابت ہوتا ہے ، اگر یہ تمام باتیں کہا جائے کہ قیامت کے لئے ہیں تو پھر شہدار کی فضیلت مخصوص کیا ہوئی ، قیامت کے بعد تو ہر نیک بندے کا یہی حال ہوگا ۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں ؛

وَالْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْاِنْسَانَ	یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ انسان بہ
غیر الهیکل المحسوس بل هو	جسم ظاہری نہیں ہے بلکہ وہ جوہر ہے
جوهر مدرك بذاته لا يفنى	جس میں قوت فہم ذاتی ہے اور یہ
بخراب البدن ولا يتوقّف	قوت بدن کے خراب ہونے سے فنا
عليه ادراكه وتألمه و	نہیں ہوتی اور نہ جسم پر تکلیف اور

التذاذه ویؤید ذلك قوله سبحانه فی آل فرعون النار یعرضون علیها الآیۃ

لذت کا احساس و ادراک موقوف ہے اور اسی امر کی تائید ہے اللہ کا فرمانا (آل فرعون پر آگ پیش کیجاتی ہے صبح و شام)

اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شہیدوں کی روح میں سب طاقتیں سہی لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ تمام روحوں میں احساس و ادراک موجود ہے مگر عام مسلمانوں کی روح سے متعلق کلام مجید کا ارشاد ہے کہ:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۰ (نساء ۔ ع ۹)

جس نے خدا اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر خدا کی نعمت ہے، نبیوں، صدیقوں شہداء، اور صالحین میں سے

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام نیک بندوں کو شہداء اور انبیاء کے ذیل میں داخل کردیا جائے گا، ممکن ہے یہ کہا جائے کہ قیامت کے بعد وہ شہداء اور صالحین سے ملحق ہوں گے اسلئے کہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مرنے کے بعد فوراً وہ ان خصوصیات میں شریک ہوجائیں گے مگر کفار و مشرکین کی روحوں کے متعلق یہ ارشاد ہے:

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

اور کاش آپ دیکھئے جس وقت گنہگار موت کی بے ہوشی میں ہوتے ہیں

بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمُ الْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۰ (الانعام ع ۱۱)

اور فرشتے اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں کہ اپنی جانوں کو نکالیں آج تم کو اس امر پر ذلت کی سزا ملے گی کہ اللہ کی شان میں تم جھوٹ بولتے تھے اور اس کی آیتوں سے اکڑتے تھے۔

ان آیات میں الیوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی عذاب شروع ہوجائے گا، اس سے ثابت ہوا کہ روح کو احساس تکلیف و ذلت موجود ہے ورنہ عذاب ہونے سے کیا حاصل۔

دوسری جگہ آل فرعون کے متعلق ارشاد ہے:۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۰ (المومن ع ۵)

اور گھیر لیا آل فرعون کو برے عذاب نے، ان کے سامنے صبح اور شام آگ پیش کیجاتی ہے اور قیامت کے دن حکم ہوگا کہ آل فرعون کو اس سے زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو۔

جب آل فرعون پر صبح و شام آگ پیش کیجاتی ہے تو یقیناً ان کو اس کا ادراک و

احساس بھی ہوگا ورنہ پھر عذاب سے کیا حاصل.
ان آیات کے علاوہ مرنے کے بعد روح کی قوت احساس وادراک کی بہت سی حدیثیں موجود ہیں، بعض احادیث ملاحظہ ہوں :-

عن عمر بن الخطاب رضی	حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
اللہ عنہ قال قال النبیؐ	فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مردہ کو قبر
صلی اللہ علیہ وسلم : المیت	میں اس سے تکلیف ہوتی ہے کہ
یعذب فی القبر بما ینح علیه	اس پر نوحہ کیا جاتا ہے ۔

(رواہ البخاری والمسلم وابن ماجہ والنسائی)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ میں نوحہ کے سننے اور سمجھنے کی طاقت ہوتی ہے اس حدیث شریف کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالے ان پر اس جرم میں عذاب فرماتا ہے کہ لوگ اس پر نوحہ کیوں کرتے ہیں، اس کی شرح میں محدثین نے واضح فرمادیا ہے کہ اگر مردہ نے نوحہ کی وصیت کی تھی تو خدا کی طرف سے عذاب ہوگا ورنہ وہ عذاب کا مستحق نہیں کیونکہ اللہ پاک نے فرمادیا ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ایک کے فعل سے دوسرے کو عذاب نہیں ہوتا ہے اس لئے یہاں عذاب سے مراد تکلیف ہے یعنی نوحہ گروں کے الفاظ سنکر مردوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے سماع اور احساس ثابت ہوتا ہے ۔ دوسری حدیث میں ہے :

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما	حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
قال ان احدکم اذا مات عرض	فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو صبح و
علیه مقعدہ بالغداۃ والعشی	شام اس پر اس کے رہنے کی جگہ پیش
ان کان من اهل الجنة فمن اهل الجنة و	کیجاتی ہے اگر جنتی ہے تو جنتیوں کی اور
ان کان من اهل النار فمن اهل النار	اگر دوزخی ہے تو دوزخیوں کی اور کہا جاتا ہے
فیقال هذا مقعدك حتی یبعث	کہ یہی تیرا ٹھکانہ ہے۔ قیامت کے
اللہ یوم القیامة ۔ رواہ البخاری	دن اللہ تعالیٰ تجھکو وہاں پہنچائے گا
ومسلم والترمذی والنسائی وابوداود ۔	(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وابوداؤد)

اگر روح میں سمجھ بوجھ نہیں ہوتی ہے تو اس پر دوزخ اور جنت کا پیش کرنا بیکار ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت کی بشارت دے کر خوش کیا جاتا ہے اور دوزخ دکھا کر مرعوب کیا جاتا ہے جس سے ان کو بے چینی ہوتی ہے ۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان	انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال	ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی	کہ جب قبر میں بندہ رکھا جاتا ہے اور اسکے
عنه اصحابه وانه لیسمع	ساتھی اس سے منہ پھیرتے ہیں ابھی
قرع نعالهم اذا انصرفوا اتاہ	وہ ان کے جوتے کی آواز سنتا ہی ہے
ملكان فیقعدانه فیقولان	ان کے لوٹنے کے وقت کہ دو فرشتے اس کے

له ماكنت تقول في هذا النبي محمد (صلى الله عليه وسلم)، فاما المومن فيقول انه عبد الله ورسوله فيقال له انظر الى مقعدك من النار بدلك الله به مقعدا من الجنة قال النبي صلى الله عليه وسلم فيراهما جميعا واما الكافر والمنافق فيقول لا ادري كنت اقول ما يقول الناس عنه فيقال لا دريت ولا تليت ثم يضرب بمطرقة من حديد ضربة بين اذنيه فصيح صيحة سمعها من يليه الا الثقلين رواه البخاري ومسلم (معنیٰ)

پاس آتے ہیں اور اس کو بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا کہتے تھے؟ اگر مومن ہے تو کہتا ہے کہ یہ اللہ کے بندہ اور رسول ہیں تو کہا جاتا ہے کہ دیکھ لو آگ کے مقام کو یہ تمہارا ٹھکانا تھا۔ اللہ نے اس کو تمہارے لئے جنت سے بدل دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جنت و دوزخ دونوں مقام دکھا دیئے جاتے ہیں۔ اور اگر کافر یا منافق ہے تو کہے گا کہ مجھے نہیں معلوم لوگ جیسا کہتے تھے ہم بھی کہتے تھے۔ کہا جائے گا کہ تو نے نہ معلوم کیا اور نہ پڑھا۔ پھر اس کو لوہے کے ہتوڑے سے دونوں کانوں کے بیچ میں (سر پر) ماریں گے۔ پس چیخے گا ایسی چیخ کہ سوائے انسان و جن کے جو اس سے قریب ہوں گے سب سنیں گے۔ (بخاری و مسلم)

اس روایت سے سمجھنے، پوچھنے، دیکھنے، سننے، بولنے اور چیخنے سب کی صلاحیت کا ثبوت ہے لیکن کہا جائے گا کہ سوال نکیرین کے وقت جسم میں روح داخل کی جاتی ہے

وہ ایک خاص بات ہے۔ اس کے بعد روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے اس امر کا ثبوت نص شرعی سے معترض پر لازم ہوگا کہ روح جسم میں داخل ہوتی ہے اور پھر خارج ہوتی ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس قضیہ کے مان لینے سے تین موت اور تین حیات ثابت ہوتی ہیں حالانکہ قرآن مجید میں دو ہی مذکور ہیں۔ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ اور كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد قیامت ہی میں زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ کی روح اپنی میت یعنی جنازہ کے ساتھ ہوتی اور کلام کرتی ہے جس کو انسان اور جن کے سوا ہر شے سنتی ہے۔

ابو سعيد الخدري رضی يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وضعت الجنازة فاحملها الرجال على اعناقهم فان كانت صالحة قالت قدموني وان كانت غير صالحة قالت يا ويلها اين تذهبون بها يسمع صوتها الا الانسان ولو سمعها الانسان لصعق (رواه البخاري)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جنازہ رکھا جاتا ہے اور لوگ اس کو کاندھوں پر لے جاتے ہیں تو اگر صالح ہے تو وہ کہتی ہے کہ آگے لے چلو اور اگر غیر صالح ہے تو کہتی ہے ہائے اس کو کہاں لیجاتے ہو۔ اسکی آواز انسان کے سوا سب مخلوق سنتی ہے اور اگر اس کو انسان سنے تو یقیناً بے ہوش ہو جائے (بخاری)

مردے پاؤں کی آہٹ تک سنتے ہیں۔

عن انس بن مالك رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان المیت اذا وضع فی القبر انه یسمع خفق نعالهم اذا انصرفوا.
رواه مسلم.

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مردہ اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے یقیناً وہ سنتا ہے جوتوں کی آواز جب لوگ لوٹتے ہیں۔
(مسلم)

سماعِ موتیٰ کے متعلق اس سے زیادہ صریح حدیث کیا ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مرنے کے فوراً بعد اور سوال نکیرین کے قبل روح جسم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بعد بے تعلق ہو جاتی ہے اس وجہ سے روح کو احساس کی صلاحیت نہیں رہتی یا یہ کہ یہ خصوصیت قبر کی ہے، جس وقت میت قبر میں رکھی جاتی ہے اس وقت سماع کی طاقت رکھتی ہے اور بعد اس کے زائل ہو جاتی ہے۔ اس شک کے دفع کرنے کو میں ذیل کی حدیث پیش کرتا ہوں۔

عن انس بن مالك رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ترك قتلی بدر ثلاثا ثم اتاهم فقام علیهم فناداهم فقال یا اباجهل بن هشام

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولین کو تین دن چھوڑ دیا پھر تشریف لائے اور ان کے قریب کھڑے ہو کر ان کو پکارا اور فرمایا کہ اے ابوجہل بن ہشام

یا امیة بن خلف یا عتبة بن ربیعة ! یا شیبة بن ربیعة ! الیس قد وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فانی قد وجدت ما وعدنی ربی حقا، فسمع عمرؓ قول النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله کیف یسمعوا وانّی یجیبوا وقد جیفوا قال والذی نفسی بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم ولکنهم لا یقدرون ان یجیبوا، ثم امربهم فسحبوا فالقوا فی قلیب بدر. (رواه مسلم)

اے امیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ اور اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا نہیں پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وعدہ کو واقعی سچا پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا اور کہا کہ یا رسول اللہ! وہ کیونکر سنیں گے اور کس طرح جواب دیں گے؟ اور وہ تو مردار ہو چکے۔ ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو اس کو جو میں ان کو کہہ رہا ہوں۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے پھر آپ نے ان کے متعلق حکم فرمایا۔ پس وہ کھینچے گئے اور ڈالے گئے بدر کے گڑھے میں۔

یہ تو کفار سے تخاطب تھا، ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ یہ خصوصیت ہے مقتولینِ بدر کی، اور اس میں جواب کے عدم صلاحیت کا ذکر ہے اس لئے میں دوسری حدیث پیش کرتا ہوں جس میں ایمان والے سے تخاطب ہے اور اس لئے جواب بھی مذکور ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو سن کر جواب دینے کی بھی صلاحیت ہوتی ہے۔

وروى ابو الشيخ الاصبهانی
عن عبيدة بن المرزوق قال
كانت امرأة بالمدينة تقم
المسجد فماتت فلم يعلم بها
النبی صلی اللہ عليه وسلم
فمر على قبرها فقال ما هذا
القبر؟ فقالوا قبر ام محجن
قال التی تقم المسجد ؟
قالوا نعم فصف الناس
فصلى عليها ثم قال ای
العمل وجدت افضل قالوا
يا رسول اللہ اتسمع؟ قال
ما انتم باسمع منها فذكر
انها اجابت قم المسجد،
وهذا مرسل۔
- المنذری۔

عبیدہ بن مرزوق سے ابو الشیخ اصبہانی
نے روایت کی کہ ایک عورت مدینہ میں
تھیں جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھیں۔
انہوں نے وفات پائی، رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہیں کی گئی
ایک دن حضرت ان کے مزار پر گذرے
دریافت فرمایا یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں
نے عرض کیا کہ یہ قبر ام محجن کی ہے فرمایا کہ
وہی جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھی؟ لوگوں
نے کہا ہاں۔ پھر صف باندھی اور
نماز پڑھی۔ آپ نے فرمایا کہ تونے کونسا
عمل بہتر پایا۔ لوگوں نے کہا کہ کیا وہ
سنتی ہیں؟ فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں
سن سکتے۔ پھر فرمایا کہ اس نے جواب
دیا کہ مسجد کی جاروب کشی۔ (یہ حدیث
مرسل ہے) المنذری

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ روح کا عقل واحساس قائم رہتا ہے، روحیں سمجھتی بوجھتی ہیں، خوش ہوتی ہیں، افسوس کرتی ہیں، اپنے اقرباء سے محبت رکھتی ہیں، آپس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں، دنیا والوں کا حال پوچھتی ہیں

عن ابی هريرة رضی اللہ عنه
عن النبی صلی اللہ عليه وسلم ان
المؤمن اذا قبض اتته ملائكة
الرحمة بحريرة بيضاء فيقولون
أخرجي الى روح اللہ فتخرج
كاطيب ريح المسك حتى انه
ليناوله بعضه بعضا فيشمونه
حتى يأتون به باب السماء
فيقولون ما هذه الريح الطيبة
التی جاءت من الارض ولا
يأتون سماء الا قالوا مثل ذلك
حتى يأتون به ارواح المؤمنين
فلهم اشد فرحا به من اهل
الغائب بغائبهم فيقولون

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب
مومن کا انتقال ہونے لگتا ہے اس کے
پاس رحمت کے فرشتے سفید ریشمی
کپڑا لیکر آتے ہیں اور کہتے ہیں نکل خدا
کی رحمت کی طرف پس نکلتی ہے مثل
مشک کے بہترین خوشبو کے یہانتک کہ
ایک دوسرے سے لیتے ہیں اور سب اس
کو سونگھتے ہیں اور اس کو آسمان کی
طرف لیجاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کیسی اچھی
خوشبو ہے جو زمین سے آئی ہے۔ جب
آسمان پر لیجاتے ہیں تو ایسا ہی کہتے ہیں
یہانتک کہ پہنچ جائیں مسلمانوں کی روحوں
کے پاس۔ ان کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے

مافعل فلان فیقولون دعوہ حتی یستریح فانہ کان فی غم الدنیا فیقول قدمات ماآتاکم فیقولون ذھب بہ الی امہ الھاویہ واما الکافر فتاتیہ ملائکۃ العذاب بمسح فیقولون اخرجی الی غضب اللہ فیخرج کانتن ریح جیفۃ فیذھب بھا الی باب الارض ۔ (رواہ ابن حبان وھو عند ابن ماجہ بنحوہ باسناد صحیح) ۔

جتنا مسافر کو بچھڑے ہوؤں سے (مل کر) پوچھتے ہیں کہ فلاں نے کیا کیا (دوسرے) کہتے ہیں کہ اس کو ابھی چھوڑ دو تاکہ آرام کرے کیونکہ وہ دنیا کی مصیبت میں تھا پھر وہ (مردہ) کہتا ہے کہ وہ تو مرگیا، کیا تمہارے پاس نہیں آیا (یہ سنکر) کہتے ہیں (شاید) پہونچا دیا گیا اس کے مقام دوزخ کی طرف ۔ اور اگر کافر ہے تو فرشتے عذاب کے ٹاٹ لیکر آتے ہیں اور کہتے ہیں نکل خدا کے غضب کی طرف، پس نکلتی ہے مردار کی بدترین بدبو کی طرح یہاں تک کہ اس کو پہونچاتے ہیں زمین کی بستی کی طرف ۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح کو احساس و ادراک رہتا ہے، بے حس اور معطل نہیں ہوتی ۔ میں نے بالالتزام صحاح کی بلکہ اکثر صحیحین کی صریح حدیثیں پیش کی ہیں اور ان آیتوں سے استدلال کیا ہے جن کے استدلال پر مفسرین رحمھم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے ۔ امید ہے کہ تمام اہل قرآن و حدیث بزرگ مجھ سے اتفاق فرمائیں گے کیونکہ اس مضمون میں محض روح کے احساس و ادراک سے

اور اختلاف ہے استعانت میں ۔ انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ اقوال بزرگان اور مشاہدات اہل معرفت بھی تاریخی حوالوں سے پیش کروں گا، بعد اس کے ماہرین علم الارواح کی جدید تحقیقات کے نتائج اور انکشافات پیش کر کے چند مفید نکتے بیان کروں گا ۔

وَمَا توفیقی الاّ باللہ ۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کیا کیا پیدا کیا ہے، اس کی حقیقت اور منشار تخلیق جاننا انسان کے بس سے باہر ہے، ذہن انسانی کا یہی کمال ہے کہ ان محسوس اور غیر محسوس اشیاء کی جن کے وجود کا علم ہو جائے تحقیق کی کوشش کرے ۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ کامیاب بھی ہو جائے ۔ علم کے ذرائع حواس خمسہ ہیں، ان کی جولان گاہ محسوسات اور معلومات تک محدود ہے جو چیزیں ان حدود سے باہر ہیں ان کا علم اور ان کی حقیقت جاننا ہمارے بس میں نہیں ۔ معلومات کے کچھ ذرائع علوم ماوراء طبعیات سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمارا ان پر حاوی ہونا آسان نہیں ۔ کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں کہ جنہوں نے عالم بالا کے علوم ہم تک پہنچائے ہیں مگر ان کی بتائی ہوئی حقیقتوں کو مان لینا ہمارے لئے دشوار ہوتا ہے کیونکہ فطرۃً ہم اپنے دلائل عقلی کے تابع ہیں جن مسائل کو دلائل سے جانچنے اور پرکھنے میں ہم قاصر ہیں ۔ ان کے ماننے میں ہمیں دشواریاں پیدا ہوتی ہیں ۔

اگرچہ عالم بالا کی خبریں پہنچانے والے انبیاء اور اولیاء ہر ملک اور ہر عہد میں ظاہر ہوتے رہے ہیں لیکن ہمیشہ ایک چھوٹی ہی جماعت انکی تعلیمات سے فیضیاب ہوئی

اور عموماً بڑی جماعت عقل اور استدلال کے پیچھے سرگرداں رہی، اس میں شک نہیں کہ مادیت کے انکشافات اسی جماعت کی بدولت ہوتے رہے اس لئے ہم اُن کے احسانات سے اس وقت تک سبکدوش نہیں ہو سکتے جب تک اس دنیا میں ہم کو رہنا ہے، انھی ماہرین مادیت کو ہم سائنس داں کہتے ہیں اور علوم طبعیات کو سائنس، مگر سائنس محض قدرت کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی حقیقت ماہیت اور حکمت جان لینے کو کہتے ہیں اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے انسان نے بنا لیا ہو۔

اگرچہ سائنس کی موجودہ دنیا آنے والی زندگی اور روحانی دنیا کے خلاف زبردست عقیدہ رکھتی ہے۔ مگر یہ پرزور الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ سائنس والوں کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے وہ روح اور روحانی دنیا کا عدم ثابت کر سکیں۔ کیونکہ وہ دنیا تجربات انسانی سے ماوراء ہے، اور جس چیز کا انسان کو تجربہ نہ ہو اس پر سائنس کی بنیاد ہی قائم نہیں ہو سکتی یہ دوسری بات ہے اک انسان اپنا ایک اصول بنائے کہ جس چیز کا اس کو علم نہ ہو اس سے انکار کردے اور ابتک اسی طرح روحانی دنیا کا انکار ہوتا رہا ہے لیکن یہ غور کرنے کی بات ہے کہ آپ مردہ میں جان پھونکنے کی کوشش میں تو سرگرداں رہیں مگر اس امر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ جان یا روح ہے یا کیا چیز۔

دنیا ایسے لوگوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں رہی ہے جو کسی نہ کسی عنوان سے روح اور روحانی دنیا کا ذکر کرتے رہے ایسی حالت میں یہ ہماری کوتاہ نظری ہوگی کہ ہم ایک ایسے مسئلہ سے بے اعتنائی اور غفلت برتیں جو ہماری زندگی کے لئے مختلف حیثیتوں سے

نہایت اہم ہے لاؤ ہمارے وجود کا ایک اہم جزو ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے اعمال کا دار و مدار اسی عقیدے پر ہے اس لئے اگر اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے تو ہمارے اصول زندگی کچھ اور ہونے چاہییں۔ آج ہم اپنا اقتصادی نظام محض انہی موجودہ ضرورتوں کے پورا کرنے کے اصول پر بناتے ہیں لیکن آئندہ زندگی کا تخیل صحیح مان لینے کے بعد ہمیں یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ زندگی کی ضروریات اس طرح نہ پوری کی جائیں جس سے آنے والی زندگی میں کسی طرح کا نقصان ہو۔

تمام مذاہب نے روح اور روحانی دنیا یا ایک آنیوالی زندگی کے مسئلہ پر زور دیا ہے اور تمام اعمال کا دار و مدار اسی عقیدے پر رکھا ہے چنانچہ دین موسوی، دین عیسوی اور دین محمدی نے یعنی سارے ادیان ابراہیمی نے اسی کی تبلیغ کی ہے اور اعمال کے حسن و قبح کا معیار یہ قرار دیا ہے کہ وہ عمل جس سے آئندہ زندگی میں فلاح اور سعادت حاصل ہو وہ خیر ہے اور جس سے عذاب اور شقاوت میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو وہ شر ہے۔ تمام مذاہب نے یہ تعلیم دی ہے کہ آئندہ زندگی میں نیک اعمال کا انعام ملے گا اور برے اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ ہندو دھرم نے بھی آنے والی زندگی پر بہت زور دیا ہے اور اس کا سارا اصول عمل اس پر قائم کیا کہ جسم فنا ہوگا اور روح باقی رہے گی اور انسان کو اپنی کرنی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

اب زمانہ سائنس کا ہے، مذہب کے بتائے ہوئے مسئلے بے چون و چرا نہیں مانے جاسکتے۔ اور نہ کسی انسان کو بغیر تجربہ کے کسی چیز کے ماننے پر مجبور کیا جاسکتا ہے

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے ثبوت میں دلائل بھی ہیں اور واقعات و تجربات بھی اس کی تائید کرتے ہیں جن کو میں آگے پیش کروں گا۔ یہ مسلم ہے کہ جب ہم کسی چیز کی تحقیق کرنے لگتے ہیں تو پہلے اس کی جانچ پڑتال کے آلات بھی مہیا کرتے ہیں اور جو آلات موجود نہیں ہوتے ان کے بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً حرارت جانچنے کے لئے تھرمامیٹر (Thermameter) ہوا کی رفتار کا قیاس کرنے کے لئے بیرومیٹر (Barometer) اور حرکت دوار کا حساب لگانے کے لئے اسپیڈومیٹر (Speedometer) مگر ان تمام آلات کا دائرۂ عمل مخصوص ہے۔ تھرمامیٹر سے ہوا کی رفتار کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، اسپیڈومیٹر سے حرارت کا پتہ چلانا محال ہے اسی طرح ایک شے کی جانچ کرنے والے آلہ سے دوسری چیز کی جانچ نہیں ہوسکتی، مگر مسائل روحانیات میں ہمارا عمل اس کے برعکس ہے۔ ہم مادی اشیاء کا علم حاصل کرنے والے حواس سے عالم روحانی کا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور اگر اس سے پتہ نہیں چلتا تو اس کے وجود ہی کا انکار کردیتے ہیں اور اس کے ماننے والے کو دیوانہ سمجھتے ہیں جو سراسر زیادتی ہے۔ روح کا علم روحانی علوم کی مشق ہی سے حاصل ہوسکتا ہے اور ماوراء طبعیات کا علم انہی آلات کے ذریعہ ہوسکتا ہے جن کا تعلق ان علوم ماوراء طبعیات سے ہو۔ یہ باتیں عقل انسانی میں نہیں آسکتیں جس طرح ایتھر کے ارتعاش کا اثر گرامفون پر نہیں ہوسکتا اس کے لئے ریڈیو آپریٹس کی ضرورت ہے اسی طرح روحانیت کے علم کے لئے طاقت روحانی درکار ہے۔

جو لوگ روحانیت کی مشق بہم پہنچا کر ماوراء طبعیات کے امور کا ادراک کرنے کی صلاحیت پیدا کرلیتے ہیں۔ وہ خود مادیت سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان سے پوری طرح استفادہ نہیں کرسکتے اور عام انسان اس عالم کے علم اور اس سے تعلقات پیدا کرنے کے وسائل سے قاصر رہتے ہیں۔ چنانچہ اب تک یہ علوم خانقاہوں اور عبادت گاہوں تک محدود تھے۔ مگر اب خدا کا شکر ہے کہ جس طرح مادیات کے علوم اور اس کی تحقیق و تفتیش کا ذوق عام ہوگیا ہے۔ اسی طرح علوم روحانی کے حصول کا شوق بھی بڑھ رہا ہے اور معبدوں اور عبادت گاہوں سے باہر بھی پبلک لائبریری، ریسرچ سوسائٹی، کالج ہال وغیرہ میں یہ انکشافات دکھائے جارہے ہیں اور آفتاب باطن کی ضوافشانی ہورہی ہے۔

قبل اس کے کہ روحانی دنیا کے متعلق بحث شروع کیجائے یہ معلوم کرنا مناسب ہوگا کہ کیا سائنس یا مادیت اور روحانیت میں کسی طرح مطابقت و مفاہمت ہوسکتی ہے؟ عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اسلئے علماء طبعیات کے تمام مباحث کا دارومدار، اسباب وعلل اور تجربات پر ہے۔ برخلاف اس کے عالم روحانیت محض معتقدات اور مسلمات پر مبنی ہے، اس کو اسباب وعلل اور تجربات سے کوئی واسطہ نہیں مثلاً جب ایک عالم طبعیات بارش پر بحث کرتا ہے تو اس کا انحصار بخارات ارضی پر دکھاتا ہے، لیکن اصحاب روحانیت یا اہل باطن اس کی نسبت ایک ایسی ذات اور اس کی مشیت کی طرف کرتے ہیں۔

جس کو نہ کسی نے دیکھا ہے اور نہ دیکھنے کا امکان ہے اور نہ اس کی مشیت کا علم انسان کو ہونا ممکن ہے، ایسی حالت میں دونوں میں مطابقت کیسے ہو سکتی ہے؟ لیکن درحقیقت دونوں چیزیں ایک ہی ہیں، البتہ دونوں کے تجربے اور تحقیق کے طریقے جداگانہ ہیں۔ ایک طبقہ بخارات ارضی کے صعود کرنے اور بدلی چھا جانے سے یہ قیاس کرتا ہے کہ بارش کا یہی ذریعہ ہے۔ دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ سینکڑوں دفعہ گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے۔ اور بغیر برسے یونہی نکل جاتی ہے یہانتک کہ پورا موسم برسات گذر جاتا ہے اور پانی نہیں برستا، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بدلی ہوا اور پانی سب کسی ایسی بڑی طاقت کے ماتحت ہیں جو ہمارے ادراک سے بالاتر ہے، جب اور جہاں پر اس کا حکم ہوتا ہے، پانی برس جاتا ہے، ورنہ بدلیاں آتی جاتی رہتی ہیں، اور ہمیں ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا، ٹھیک اسی طرح جیسے ڈاکیہ بارہا ہمارے سامنے سے گذر جاتا ہے لیکن نہ کوئی خط آتا ہے، نہ منی آرڈر، مگر جب ہمارے نام کی کوئی ڈاک ہوتی ہے تو پکار کر اور بند کیواڑے کھلوا کر دے جاتا ہے۔ اس لئے ہمیں نقطۂ نظر بدلنے کی ضرورت ہے، اس کے بعد جو چیزیں نگاہ سے اوجھل ہیں وہ بھی نمایاں اور روشن ہو جائیں گی۔

سائنس اور مذہب کے فرق کو بتانے یا دونوں کو ایک ثابت کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ہے کہ ہمارا تخیل سائنس کے متعلق صحیح نہیں ہے۔ سائنس نام ہے خدائے تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے راز سمجھ لینے کا سوا اس کے سائنس کوئی

چیز نہیں، کوئی شخص یہ بتا نہیں سکتا کہ مقناطیس لوہے کے گرد چکر دینے سے برقی شرارے کیوں پیدا ہوتے ہیں، بجز اس کے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ ایسا ہی ہوتا ہے، یہی تجربہ ہے، فطرت نے اس کو یہی خاصیت عطا کی ہے۔ یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ قدرت نے یہ طاقت اسی کو کیوں عطا کی ہے، کسی اور چیز کو کیوں نہیں عطا کی۔ اگر شورے کو گندھک کے گرد یا پنسل کو پٹاس کے گرد گھمایا جائے تو ان سے شرارے پیدا نہیں ہوتے۔ حالانکہ ان میں آگ پہنچانے اور آگ پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے، ہماری تحقیق اسی حد تک ہے کہ کسی ایک چیز کو دوسری خاص چیز کے ساتھ ملانے یا ٹکرانے یا گھمانے سے کوئی خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور ہم ایک چیز کی خاصیت دوسرے میں پیدا نہیں کر سکتے، ہمارا کمال یہ ہے کہ ایک چیز کی وہ خاصیت دریافت کر لیں جو فطرت سے اسے عطا ہوئی ہے، ہم اس میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتے اور ہماری تحقیقات کا دارو مدار تمام تر ہمارے تجربوں پر ہے، اسی طرح جن لوگوں نے باطنیات کا علم حاصل کیا ہے ان کا تجربہ یہ ہے کہ جو مشیت خدا کی ہوتی ہے وہی ہوتا ہے وہ چاہے تو لکڑی میں سنانپ کے خصوصیات پیدا کر دے، پانی پتھر بن کر کھڑا ہو جائے، پتھر پانی بن کر بہنے لگے، مردہ ایک پھونک زندہ ہو جائے اور زندہ انسان مجسم زمین میں دھنس جائے، یہ لوگ خدا اور خدا کے سارے صفات کو اسی طرح جانتے اور مانتے ہیں جیسے ماہرین طبعیات کسی طبعی اصول کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ کیونکہ ایک سائنس داں کبھی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اگر دہکتی ہوئی آگ کے بڑے ڈھیر میں کسی انسان کو ڈال دیا جائے

تو وہ صحیح وسالم رہ سکتا ہے، لیکن ایک مومن کو اس کا یقین واثق ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ نمرود کی دہکائی ہوئی آگ میں جل نہ سکے اور پوری طرح صحیح وسالم ہشاش وبشاش اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا کرشمہ دیکھکر نہایت مشکور ومسرور رہے، افسوس ہے کہ عوام کے لئے آسان نہیں کہ وہ بھی ان اصولوں اور ان عقائد کو سمجھیں اور اسپر یقین کریں جن کو ارباب حقیقت دیکھتے اور سمجھے ہیں۔

اصحاب علم ونظر پہلے ہر چیز کا سبب دریافت کرتے ہیں پھر ہر سبب کا مسبب تلاش کرتے ہیں پھر ایک حد پر پہنچکر تحیر پیدا ہو جاتا ہے، عقل مجبور ہو جاتی ہے اور کہدینا پڑتا ہے کہ بس یہ اسی طرح ہے اور اسی طرح ہوتا ہے، سائنس کی انتہا فطرت پر ہوتی ہے، ارباب باطن نے بھی ایک آخری حد قائم کی ہے کیونکہ تمام کائنات کے لئے ایک مسبب ضروری ہے، اور کسی شے کے وجود کو بغیر سبب کے عقل قبول نہیں کر سکتی، اس لئے ایک نہ ایک آخری سبب یا مسبب الاسباب ماننا ضروری ہے خواہ فطرت کو مانا جائے یا خدا کو۔

ایک طبقہ کے نزدیک فطرت نے ساری کائنات پیدا کی اور دوسرا طبقہ خدا کو خالق مانتا ہے، فطرت کو ماننے والے اتنی بڑی کائنات کے وجود میں آنے اور ان سے اتنے نتائج ظہور پذیر ہونے کو ایک ایسی طاقت پر محمول کرتے ہیں جو طاقت شعوری نہیں، اور ہم ایسی ذات کو مسبب الاسباب مانتے ہیں جس میں شعور، عقل حکمت، علم، پیش بینی ساری چیزیں انتہائی کمال کے ساتھ موجود ہیں، ہماری دلیل

یہ ہے کہ اس قدر مسلسل ذرائع اور اسباب کا پیدا کرنا غیر شعوری طور پر کیونکر ممکن ہے اور ایک عقل انسانی کیونکر اس سے مطمئن ہو سکتی ہے۔

تمازت آفتاب سے بخارات پیدا ہوتے ہیں، بخارات سے بدلی، بدلی سے بارش بارش سے قوت نمو، قوت نمو سے انواع واقسام کے نباتات، نباتات سے حیوانات کی پرورش، اس سے انسانی دماغ کا وجود اور اس کی پرورش، پھر انسانی دماغ سے طرح طرح کے تخیلات اور ادراکات، ان سے قوت ایجاد اور قوت ایجاد سے مختلف قسم کی مشینیں، طرح طرح کی دوائیں، انسانی ضروریات کی طرح طرح کی چیزیں وغیرہ وجود میں آتی ہیں، اتنے لمبے سلسلے کی تخلیق اور اس کے اسباب وعلل کو ایک ایسی طاقت سے منسوب کرنا جو شعوری صلاحیت سے بالکل عاری ہو، میرے خیال میں عقل انسانی کا انتہائی بودہ پن اور محرومی وناکامی ہے۔

اس کے برخلاف ارباب مذہب مسبب الاسباب کو صاحب شعور مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس نے یہ ساری کائنات انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے پیدا کی ہے، اس لئے ہماری دعا یا استدعا پر وہ اپنی مشیت بدل سکتا ہے، قلب ماہیت کر سکتا ہے، بہتے دریا سے خشک راستہ نکال سکتا ہے، ایک انسان آسمان پر پہنچ سکتا ہے، اس قسم کے اور تمام تصرفات کر سکتا ہے، پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کون فریق حق پر ہے اور کون غلطی پر لیکن اسی کے ساتھ محض کسی ایک فریق کے معتقدات اور تجربات کو بغیر کسی دلیل کے ناقابل اعتنا سمجھنا غلط ہے، کسی انسان کا یہ دعویٰ کہ اس

نے ہر شے کی حقیقت سمجھ لی ہے، بداہتہ غلط ہے، نئے نئے تجربات سے کتنے مسلمہ اصول اور کتنی تھیوریاں بدلتی اور کتنی نئی نئی چیزیں وجود میں آتی رہتی ہیں جن کا انسان کو وہم بھی پہلے نہیں ہوتا اس لئے بہت ممکن ہے کہ آئندہ چل کر موجودہ تھیوریاں غلط ثابت ہو جائیں اور مذہب و روحانیت کو ہر پڑھا لکھا انسان اسی طرح ماننے لگے جس طرح ایتھر اور اس کے اثرات کو آج مانتا ہے حالانکہ یہ چیز بھی ہمارے لئے ویسی ہی ناقابل احساس ہے جیسے روح جس طرح ہم ریڈیو پر ٹرومین اور چرچل کی تقریریں سن کر یقین کرتے ہیں کہ ایتھر تمام کائنات میں پھیلا ہوا ہے اور اس میں ارتعاش پیدا کرنے سے آوازیں بنتی ہیں، اسی طرح اگر دو ہزار برس قبل کے کسی شخص کی روح کو بلا کر اس سے وہ واقعات سنا دئے جائیں جو امریکہ اور جاپان میں ظہور پذیر ہو رہے ہیں تو پھر روح اور روحانیت سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لئے اس مسئلہ میں بھی توجہ اور تحقیق سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ روزمرہ کا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ ہمارے جسم اور ہمارے اعضا کسی ایک بڑی طاقت کے تابع ہیں جب تک اس سے تعلق قائم ہے، اس وقت تک وہ کام کے ہیں ورنہ بیکار، عام اصطلاح میں اس طاقت کو زندگی کہتے ہیں اور ہم اسی کو روح کہتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ہم روح کو جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی زندہ اور موجود سمجھتے ہیں، دوسرے لوگ جسم کی طرح اس کو بھی معدوم اور نابود تصور کرتے ہیں۔

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تمام مذاہب نے یہ سمجھا یا ہے کہ روح میں مرنے کے بعد

بھی طاقت احساس موجود رہتی ہے، ہندو مذہب کی رو سے تو روح جسم کے فنا ہوتے ہی دوسرا جسم اختیار کر لیتی ہے لیکن سلسلۂ ابراہیمی کے مذاہب میں روح عالم ارواح میں پہنچتی ہے اور رنج و راحت محسوس کرتی ہے۔

روح اس وقت تک جسم سے تعلق رکھتی ہے جب تک جسم کے اعضاء رئیسہ کام کے رہتے ہیں، یعنی جب تک معدہ بدل ما یتحلل پہنچاتا، جگر اپنا کام کرتا اور قلب خون پھیلاتا رہتا ہے، اس وقت تک روح جسم سے تعلق رکھتی ہے اور جونہی اعضاء رئیسہ اپنا کام انجام دینے کے لائق نہیں رہتے روح ان کو ترک کر دیتی ہے اور اسی ترک کو موت کہتے ہیں، یہ موت جسم کی موت ہوتی رہتی ہے روح کی نہیں

اس میں شک نہیں کہ روح کے متعلق انسان کو بہت کم معلومات ہیں اور اس سے زیادہ ہو بھی نہیں سکتیں کیونکہ ہمارے حواس خمسہ اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔ اہل عرب بھی ایک زمانہ دراز تک روح کے متعلق محض اٹکل سے رائے زنی کرتے رہے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ اس لئے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور لوگوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ آپ ماورا طبعیات کی بہت سی باتیں جانتے ہیں تو مخالفین نے آپ کی نبوت کے امتحان کے لئے آپ سے پوچھا کہ روح کیا چیز ہے آپ جو کچھ کہتے تھے خدا کی وحی کے مطابق کہتے تھے چنانچہ خدائے تعالی نے فرمایا ہے:

مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی چنانچہ اس سوال کے جواب میں یہ وحی نازل ہوئی۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۔

یعنی تم سے روح کے بارہ میں پوچھا جاتا ہے کہدو کہ روح خدا کے حکم سے ہے اور تمہیں (انسان کو) بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

جو لوگ خالق عالم کا وجود ہی ماننے کو تیار نہ تھے وہ ایک اور غیر مرئی چیز یعنی روح کے ماننے کو کب تیار ہوتے جس سے اور زیادہ الجھاؤ پیدا ہوتا، اس لئے اس بحث کو ابتدا ہی میں روک دیا گیا کیونکہ انسانی دماغ اس وقت تک اس کو سوچنے اور سمجھنے کے لئے تیار نہ تھا۔

ہندو مذہب میں الگ الگ جسمانی و روحانی دنیا کا تصور نہیں ہے، انکے عقیدے میں روح کا تعلق ہمیشہ ایک نہ ایک جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے جب ایک جسم سے روح کی جدائی کا وقت آتا ہے تو اس کو چھوڑنے سے پہلے وہ دوسرے جسم سے تعلق پیدا کر لیتی ہے جیسے ایک پتنگا ایک گھانس سے اپنی پچھلی ٹانگیں اسوقت اٹھاتا ہے جب اگلی ٹانگوں کو دوسری گھانس پر جما لیتا ہے، اسی طرح سلسلۂ تناسخ جاری رہتا ہے۔ روح جسم سے علیحدہ ہو کر کسی خاص منزل پر جاگزیں نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس اسلام، نصرانیت اور یہودیت یعنی سلسلۂ ابراہیمی کے ہر مذہب کا عقیدہ ہے کہ روح جسم سے الگ ہو کر ایک دوسری دنیا کو آباد کرتی ہے، اصلی روحانی دنیا یہی ہے، اس کی دو منزلیں ہیں عِلیین اور سِجّین۔ علیین میں نیک روحیں اور سجین میں بدروحیں رہتی ہیں اور دونوں کے حالات بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

نیک روحیں راحت و سکون کے ساتھ رہتی ہیں اور بدروحیں عذاب و تکلیف میں مبتلا۔ اسلام کی اس کھلی ہوئی تعلیم کے باوجود حیرت ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ عالم روحانیت کا قائل نہیں حالانکہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ مرنے کے بعد روحوں کو راحت و عذاب کا سامنا ہوتا ہے، ان میں قوت احساس ہوتی ہے جن پر خدا کی رحمت ہوتی ہے، وہ مسرور ہوتی ہیں، خدا کا شکر ادا کرتی ہیں اور جن پر عتاب ہوتا ہے وہ مضطرب اور پریشان رہتی ہیں، اپنے اعمال کی برائیوں کی وجہ سے نادم اور شرمندہ رہتی ہیں اور افسوس کرتی ہیں۔

وہ جماعت جو کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتی، اگر روح اور روحانیت سے انکار کرے تو بجا ہے کیونکہ اس کے لئے غیر مرئی اور غیر محسوس اشیاء کا علم اور ماورائے طبعیات امور کا تصور ناممکن ہے۔ ارباب مذہب کا تعلق تو کسی نہ کسی ایسی شخصیت سے ہوتا ہے جو عالم ماورائے طبعیات سے وابستہ ہوتی ہے اور بہت سی ایسی باتیں بتاتی ہے جہانتک ذہن انسانی کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے البتہ جو لوگ مذہب سے تعلق نہیں رکھتے ان کی رہبری محض فلسفہ اور سائنس کے اصول یا ذاتی تجربات سے ہو سکتی ہے اس لئے آئندہ سطور میں صرف عقلی دلائل سے بحث کی جائے گی اور روح و روحانیت کے بارہ میں ان حکماء، مادیات کی رائیں پیش کی جائیں گی جنہوں نے طبعی اور مادی تجربوں اور تجزیوں میں کمال حاصل کرنے کے بعد روحانیت کے متعلق بھی تحقیقات اور تجربے کئے ہیں اور ان تجربات و تحقیقات کو شائع کیا ہے۔

جنوری ۱۸۸۲ء میں روحانیت کی تحقیقات کے لئے لندن میں ایک ریسرچ سوسائٹی قائم کی گئی پروفیسر بیرٹ (Bonne TT) اس کے محرک اور ڈاکٹر ہنری (Dr. Henny) فریڈرک مائرس (Fredric myers) اور سر اولیور لوج (Ser Oliver ladge) اس کے معین تھے اور یہی لوگ یکے بعد دیگرے سوسائٹی کے صدر ہوتے گئے اور غالباً یہ سوسائٹی اب تک قائم ہے۔ ایک ضمیمہ میں ان لوگوں کے حالات اور تجربہ علمی الگ سے پیش کئے جائیں گے ان میں سے آخر الذکر سر اولیور لوج سے موجودہ سائنس کی دنیا ناواقف نہیں ہے کیونکہ ایک عرصہ تک کیمبرج یونیورسٹی میں طبعیات کے پروفیسر رہ چکے ہیں اور تقریباً ایک درجن کتابیں علوم طبعیات کے مختلف عنوانوں پر لکھی ہیں۔

اس سوسائٹی کا مقصد روحانیت کے متعلق تحقیق وانکشاف کرنا تھا۔ اہل یورپ کا یہ خاصہ ہے کہ جس کام میں پڑتے ہیں اس کو تکمیل تک پہنچائے بغیر نہیں رہتے، چنانچہ ان لوگوں نے بھی اپنا قیمتی وقت اس کام میں صرف کیا اور آخر میں روحوں سے مراسلت کرنے میں کامیاب ہوئے ان میں سے ہم چیدہ چیدہ واقعات مختصراً پیش کریں گے۔ اور بعض مراسلات بھی درج کریں گے تاکہ ناظرین کو ان پر غور وفکر کرنے کا موقع ملے۔ ساتھ ساتھ ان مراسلات کا تجزیہ اور ان پر تنقید بھی ہوگی کہ وہ کس حد تک لائق وثوق ہیں، روح اور روحانیت انسانی زندگی کا نہایت اہم مسئلہ ہے کیونکہ اس پر انسانی اخلاق وعمل کا دارومدار ہے، اس وقت دنیا کی ساری پریشانیاں روحانیت سے

بے توجہی کا نتیجہ ہیں، جب تک ہم روحانیت کی طرف توجہ نہ کریں گے اور انسانی زندگی کا مقصد نہ سمجھیں گے، اس وقت تک ہمارے اعمال کی اصلاح نہیں ہوسکتی

اس مختصر مقالے میں یہ ممکن نہیں کہ روحانی رسل ورسائل کے پورے اصول اور قواعد بتا دئے جائیں لیکن اس حد تک آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ ایک انسان روحانی عالم سے تعلق پیدا کرسکتا ہے اور وہاں سے رسل ورسائل کا سلسلہ جاری ہوسکتا ہے گذشتہ زمانہ میں تو یہ وہ راز تھا جس کو صرف مرشد کامل اپنے خاص خاص مریدوں کو بڑی جانچ پڑتال کے بعد بتلایا کرتے تھے لیکن اب سائنٹفک تجربوں کی طرح روحانی تجزئے اور عمل بھی عام ہو رہے ہیں اور وہ کسی جماعت یا کسی حلقہ کے ساتھ مخصوص نہیں

آپ کو معلوم ہوگا کہ صوفیائے کرام طالبین کو مراقبہ کی مشق کرانے کے بعد مکاشفات کی منزل تک پہنچاتے تھے، مراقبے کی پہلی شرط یہ تھی کہ خدائے واحد وقدوس کی طرف توجہ کیجائے اور اس میں اس قدر انہماک پیدا کیا جائے کہ انسان اپنے ماحول سے بالکل بے خبر ہوجائے، اس کی مشق کے لئے خاص طور پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی ضرب لگانے کی تعلیم ہوتی تھی، اس کے بعد حبس دم کی تعلیم اور اس کی مشق کرائی جاتی تھی، کیونکہ خیال کے ایک مرکز پر آجانے کے بعد بھی سانس کی حرکت کے جھٹکوں کے اثر سے دماغی سکون میں کچھ خلل واقع ہوجاتا ہے مگر خیال کے کسی مرکز کی طرف متوجہ ہوجانے اور سانس کی حرکت روک لینے کے بعد ایک ایسا سکون پیدا ہوجاتا ہے جس سے روحانی پرواز اس عالمِ متحرک سے بالا ہوجاتی ہے اور جہاں موجودات کی رنگارنگیاں اور

دل آویزیاں بالکل محو ہوجاتی ہیں، مگر پہلی منزل میں تشخصات باقی رہتے ہیں، یہی عالم ارواح ہے جن کی منزل مقصود یہیں تک ہے، وہ تو اس عالم ارواح کی سیر میں لگ جاتے ہیں، لیکن جن کا مقصود تمام تشخصات سے بالاتر ہوتا ہے وہ اس پہلی منزل کی دلچسپیوں کی طرف مائل نہیں ہوتے، بلکہ آگے بڑھکر عالم جبروت تک پہنچ جاتے ہیں، جہاں ذات و صفات کا انکشاف ہوتا ہے اور ذات واجب الوجود اپنی مختلف صفات اور کمالات کے پردہ میں نظر آتی ہے مگر ارباب حقیقت اس سے بھی آگے بڑھکر عالم لاہوت میں پہنچتے ہیں، یہاں پہنچکر لاعین رات ولا اذن سمعت کا عالم نظر آتا ہے جس کے بعد کوئی عالم نہیں۔

مجھے اس وقت عالم لاہوت کی بحث نہیں چھیڑنی ہے بلکہ عالم ملکوت کی سیر کرانی ہے اور اس کے جدید سائنٹفک طریقے بتانے ہیں. اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ایک شخص خود اپنے آپ کو ٹرانس (TRANCE) یعنی عالم محویت یا استغراق تک پہنچائے اور دوسرا یہ ہے کہ کسی دوسرے پر محویت طاری کرے اور اس عالم محویت میں عالم ارواح کی سیر کرانے لگے مؤخر الذکر طریقہ سہل ہے اور زیادہ تر اسی طریقہ سے سائیکیکل ریسرچ سوسائٹی Saychichal P.sychi (Research) نے مراسلات کئے ہیں پہلا طریقہ میں اپنی نگاہ کو کسی ایک نقطہ ظاہری پر مرکوز کرکے محویت طاری کیجاتی ہے اور سانس روکنیکی بھی مشق کرنی پڑتی ہے، لیکن سب سے پہلے اپنے آپ کو جذبات قبیحہ سے محفوظ خیالات و تصورات باطلہ سے پاک کرنا اور قوت ارادی کو بڑھانا ضروری ہے، ان شرائط کو پورا کرنے کے بعد محویت یا استغراق کی مشق

کی جاتی ہے جس سے دور دور کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں اور عالم ارواح کی سیر ہونے لگتی ہے اور قوت ارادی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ مشیت الٰہی کے سوا کوئی چیز اس کو زیر نہیں کرسکتی، اسی طریقہ کو مسمریزم (mesmerism) کہتے ہیں کیونکہ اس کا موجد مسمر نامی تھا۔

دوسرا طریقہ جس کو صوفیائے کرام توجہ کہتے ہیں وہ جدید فلسفہ نفسیات میں ہپنوٹزم (HypnoTism) ہے توجہ میں تو صوفیائے کرام خود مراقبہ کرکے توجہ فرماتے تھے لیکن ہپنوٹزم میں عامل حکمت عملی سے معمول کو مسخر کر لیتے ہیں، یہ حکمت عملی بہت بہت آسان ہے، پہلے کوئی معمول منتخب کیا جائے، معمول ہوشمند لیکن نابالغ ہو خواہ وہ بچہ ہو یا بچی، اگر عورت ہو تو کہولت کو پہنچ چکی ہو وہ معمول زیادہ مفید ہوتا ہے جو مزاج کا ضدی نہ ہو جس کی طبیعت زیادہ چنچل نہ ہو تاکہ بلامزاحمت خیالات پر خیالات اور تصورات پر تصورات آتے جائیں، معمول کی طبیعت ایسی ہونی چاہئے کہ دماغ کسی ایک نقطہ کی طرف متوجہ ہوسکے۔ مجھے ایک ایسے بزرگ پر عمل کرنا پڑا جو سن میں مجھ سے تقریباً دس بارہ برس بڑے تھے، وہ خود طبیب تھے مگر ایک مرض کا مجھ سے علاج کرانا چاہتے تھے، اس لئے ان کو معمول بنانے کے علاوہ چارۂ کار نہ تھا، اس عمل میں مجھے کامیابی ہوئی مگر کچھ دیر لگی اور ان کا مرض بھی دفع ہوگیا اور پھر کبھی عود نہ کیا، اب وہ اس عالم سے گذر چکے ہیں لیکن شہادتیں موجود ہیں۔

مسمریزم اور ہپنوٹزم کے طریقے معروف و مشہور ہیں اور ان کو اس فن کی تمام

کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ریسیرچ سوسائٹی نے انہی طریقوں سے روحوں سے مراسلات کئے ہیں جو سایکو لوجیکل ریسیرچ سوسائٹی کے جرنل میں شائع ہوئے ہیں (ان میں سے کچھ مائرس نے اپنی کتاب ہیومن پرسنیلٹی (Human Personality) میں اور کچھ سراولیور لاج نے سروائیول آف مین (Survival of man) میں اور ایک دوسری کتاب ریمنڈ (Raymond) میں درج کئے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ ان حکمت عملیوں سے انسانی دماغ کیوں عالم ارواح کی سیر کرنے لگتا ہے، اس کا سبب ذیل کی مثالوں سے واضح ہوجائے گا، یہ ہم میں سے ہر شخص کا تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے کمرہ کی چیزیں دیکھنا چاہتا ہو جس کے کیواڑ میں شیشے لگے ہوں اور ان شیشوں پر باہر سے روشنی کا عکس پڑ رہا ہو تو اندر کی چیزیں اس وقت تک نہیں دیکھ سکتا جب تک باہر کے انعکاس کو روک نہ دیا جائے یعنی پہلے دونوں ہاتھوں سے شیشے پر ایک حلقہ بنایا جائے اور دونوں آنکھوں کو حلقہ کے اندر کرکے شیشہ سے ملاکر دیکھا جائے، اس وقت اندر کی چیزیں نظر آتی ہیں ورنہ نگاہ باہر کے انعکاس سے الجھ کر رہ جاتی ہے، اسی طرح جب ہم باطنیات کی طرف متوجہ ہونا چاہیں تو یہ ضروری ہے کہ ظاہر کے مشاہدات اور تصورات سے اپنے خیالات کو پاک کرلیں، ورنہ خیالات مدرکات ظاہری میں الجھ کر رہ جائیں گے۔

دوسری مثال اکسرے کی ہے اس سے پوشیدہ اعضا نظر آنے لگتے ہیں اور چمڑے اور گوشت کو عبور کرکے ہڈی یا پھیپھڑے کا فوٹو آجاتا ہے جس کے ذریعہ ڈاکٹر مرض کی تشخیص کرتے ہیں اور پوشیدہ اعضاء کے اس عکس میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جاتا، اس کی ایجاد کا واقعہ یہ ہے کہ مصور جن شیشوں پر تصویر کا عکس لیتا ہے ان کو نہایت تاریک کمروں میں ایسی دوائیں پانی میں ملاکر دھوتا ہے جس سے مزید قوت انعکاس زائل ہوجاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک مصور رات کے وقت ایک شیشہ دھونے لگا اور کمرے کے تیز روشنی کے بلب کو ایک کاٹھ کے بکس میں بند کردیا، اتفاق سے اس بکس کے قریب ہی کچھ شیشے ڈھکے ہوئے رکھے تھے ان کو دھونے کے بعد ان میں ایک خاص طریقے کی سیدھی سیدھی لکیریں ظاہر ہوئیں، مصور کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ لکیریں کہاں سے آئیں، اس کو شبہ ہوا کہ کہیں اس بکس سے تو روشنی نہیں نکلی، اس کی تحقیق کے لئے اس نے چند مرتبہ اسی طرح روشنی کو چھپا کر فوٹو کے شیشے اس کے قریب رکھ کر دیکھا تو برابر لکیریں پیدا ہوتی رہیں، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ تیز روشنی کو ڈھانکنے سے اس کی کرن کسی ایک سمت سے ڈھکنے کو عبور کرکے نکل پڑتی ہے یعنی پردوں سے بھی چھن کر نکل جاتی ہے، اس تجربہ کی بنیاد پر اکسرے کا طریقہ ایجاد کیا گیا جس میں بجلی کی روشنی کے عکس کے ذریعہ پوشیدہ اعضاء کی حالت معلوم ہوجاتی ہے، اسی طرح جب خیال کی روشنی ہر طرف سے بند کردی جاتی ہے تو بہت دور تک عبور کرتی ہے اور پردہ کے اندر کی چیزیں نمایاں ہوجاتی ہیں اسی کو نور باطن کہئے یا انکشاف

مگر بزرگانِ دین کے مکاشفات اور مسمریزم یا ہپنوٹزم کی معلومات میں آسمان زمین کا فرق ہے، ان کی پرواز زیادہ سے زیادہ عالم ارواح تک ہو سکتی ہے لیکن بزرگانِ دین اپنی روحانیت کے ذریعہ اس ذات واجب الوجود تک پہنچے ہیں جو ان تمام اشیاء اور حالات سے واقف ہی نہیں بلکہ ان کی خالق ہے اس لئے ان کا دائرۂ عمل اتنا وسیع ہو سکتا ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس کے علاوہ ان کے مدارج کشف پر فائز ہونے سے پہلے ان کے عادات، اعمال، اخلاق، خیالات و تصورات اور معتقدات کی پوری اصلاح ہو چکتی ہے، اس لئے ان کی روحانیت بہت قوی ہوتی ہے وہ ایسے واقعات سے واقف ہو سکتے ہیں جو ذات باری کے علم و مشیت میں ہوں، لیکن کتنے انسان اس بلند مرتبہ پر فائز ہیں، اس کی تحقیق کا ذریعہ بھی نورِ باطن ہی ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ ہماری مادی دنیا میں اس نورِ باطن سے بے خبری ہے، موجودہ دور میں سگمنڈ فرائڈ کے نفسیاتی تجربات اور اسکے اصول نے روحانیت پر اور بھی زیادہ پردہ ڈال دیا ہے، اس کا نظریہ یہ ہے کہ جو چیزیں انسانی تجربوں میں نہ آچکی ہوں ان کا ادراک شعوری یا غیر شعوری کسی حالت میں بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ وہ رویائے صادقہ کا مذاق اڑاتا ہے اس کو عالم استغراق (Trance) یا خواب یا محویت کا نہ تجربہ ہو سکا اور نہ اس کے متعلق اس نے کوئی تحقیق کی۔

مگر اب خدا کے فضل سے اس کے بہت سے مخالفین پیدا ہو گئے ہیں اور یورپ میں روحانی تحقیق کا ذوق پیدا ہو گیا ہے اور پروفیسر سر اولیور لاج پروفیسر ہیرٹ،

پروفیسر ویلیم جیمس وغیرہ جیسے سینکڑوں ارباب علم نے روحانی مراسلات اور روحانی زندگی کی تحقیق میں پوری عمر صرف کر دی اس کے ثبوت کے لئے ذیل میں سائکولوجیکل ریسرچ سوسائٹی کی رپورٹ میں شائع شدہ چند مراسلات درج کئے جائیں گے جن سے اس دنیا کا اندازہ ہو گا۔

۱۔ ایک مرتبہ اسٹاک ہوم کے ڈچ سفیر کی بیوی "مارٹی ویلی" پر ایک سنار نے یہ دعوی کیا کہ اس کے متوفی شوہر نے اس سے چاندی کی کوئی چیز بنوائی تھی جس کی اجرت اس کو نہیں ملی ہے، لیکن اس عورت کو یقین تھا کہ اس کے شوہر نے اس کی رقم باقی نہیں چھوڑی ہو گی چنانچہ اس نے مسٹر سوئیڈن برگ (Swedenborg) کو اپنے مکان پر بلایا اور کہا کہ اگر یہ سچ ہے کہ آپ میں مردوں کی روحوں سے مراسلہ کرنے کی طاقت ہے تو مہربانی فرما کر میرے شوہر سے یہ دریافت فرمائیے کہ کیا ان کے ذمہ سنار کا بقایا صحیح ہے، سوئیڈن برگ نے منظور کر لیا اور اس عورت کے شوہر کی روح سے پوچھ کر بتایا کہ وہ قرض اپنے مرنے سے چند مہینے پیشتر ادا کر چکے تھے، اور اس کی رسید اوپر کی منزل پر ایک دراز میں رکھی ہے، عورت نے کہا کہ وہ دراز صاف کیا جا چکا ہے، اس میں کوئی کاغذ نہیں ہے، سوئیڈن برگ نے کہا کہ اس کے شوہر نے صراحت سے بتایا ہے کہ دراز کو کھینچنے کے بعد ایک تختی نظر آئے گی، اس تختی کو نکالنے پر ایک چور دراز ملے گی جس میں اس کے پوشیدہ ڈچ مراسلات رکھے ہوئے ہیں اسی میں رسید بھی ہے، یہ سنکر ایک پوری جماعت اس عورت کے ساتھ کوٹھے پر گئی

اور دراز کو نکال کر دیکھا تو اس میں ایک چور خانہ ملا جس پر ابتک کسی کی نظر نہیں پڑی تھی اور اس میں وہ رسید مل گئی، ہر شخص کو بڑی حیرت ہوئی۔

(سروائیول آف مین مصنفہ سر اولیور لوج ص ۱۲۹)

۲۔ آئرلینڈ کے ایک مشہور شخص کرنل بی کا بیان ہے کہ ان کی بیوی نے "مس آکس" کو اپنی لڑکیوں کو گانا سکھانے کے لئے مقرر کیا تھا، اس کی شادی مسٹر زڈ سے ہوگئی اور سلسلہ تعلیم موقوف ہوگیا، چھ ہفتہ سال کے بعد کرنل بی کی بیوی جب حالت نزع میں تھی تو کہنے لگی آج میں برابر کسی جاتے ہوئے شخص کے گانے کی آواز سن رہی ہوں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کی آواز ہے، یکایک وہ چپ ہوگئی، کرنل بی کے سر کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگی کہ وہ کونے میں کون ہے؟ یہ تو جولیا آکس (مس آکس) معلوم ہوتی ہے، وہ آرہی ہے، وہ تمہاری طرف جھکی، اس نے ہاتھ اٹھایا، دیکھئے وہ دعا کررہی ہے، لو وہ جا رہی ہے۔ کرنل بی کہتے ہیں کہ میں نے سمجھا کہ گانے کی آواز اور یہ نقشہ حالتِ مرگ کا واہمہ ہے۔

دو دن کے بعد اخبار ٹائمس میں شائع ہوا کہ جولیا مسٹر زڈ کی بیوی قضا کرگئی مجھ کو بڑی حیرت ہوئی، میں نے جاکر مسٹر آکس سے پوچھا کیا آپ کی لڑکی مسٹر زڈ کی بیوی قضا کرگئی؟ اس نے کہا ہاں ولادت کے بعد اس کو بخار آنے لگا اسی میں گذر گئی، مرنے کے روز صبح ہی سے گانے لگی اور مرتے دم تک برابر گاتی رہی۔

۳۔ ایسا ہی قصہ الیسا مینورس (Elisa Mannors) کا ہے جو مسٹر

مائرس یعنی ریسرچ سوسائٹی کے صدر کی قریبی رشتہ دار تھی، یہ قصہ مسٹر ہوڈسن (... Hodgsan) کے تجربات میں سائکلوجیکل سوسائٹی کی رپورٹ مجلد ۱۳ کے صفحہ ۳۷۸ میں ان الفاظ میں درج ہے:

ڈاکٹر ہورس بیان کرتے ہیں کہ میں مسز پائپر کی سٹنگ میں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک صباحی اخبار بوسٹن میں مسٹر آف کی موت کی خبر دیکھی، نشست میں پہنچا تو اس میں تحریر جو آئی وہ الیسا کی روح کی طرف سے مراسلہ تھا، اس میں لکھا تھا کہ وہ اپنے چچا کی موت کے وقت موجود تھی اور اس عالم سے کوچ کرتے وقت ان کی جو مدد کی تھی اس کی تفصیل تھی، میں نے اس واقعہ کو اپنے ایک دوست سے جو الیسا سے واقف تھا اور مسٹر اف کا رشتہ دار تھا بیان کیا، ایک دو دن کے بعد میرے اس دوست کی مسٹر اف کے ایک دوسرے رشتہ دار سے ملاقات ہوئی جو مسٹر اف کے مرنے کے وقت ان کے پاس موجود تھا، اس نے کہا کہ مسٹر آف مرنے کے وقت کہہ رہے تھے کہ الیسا ان سے باتیں کررہی تھی اور ان باتوں کو دہرایا جو بجنسہ وہی باتیں تھیں جو الیسا نے مسز پائپر کے مراسلہ میں تحریر کی تھیں۔

۴۔ مسٹر اسٹنٹن موسز (S Tainton Mose) ۱۸ اپریل ۱۸۷۴ء کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بڈفوڈ میں مقیم تھے اور ایک دن شام کے وقت قدیم مذاہب کے متعلق مراسلے حاصل کررہے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ ایک سوال کرنا چاہتے تھے، اور صرف اتنا کہا تھا کہ "میں جاننا چاہتا ہوں" کہ یکایک بجائے کسی مناسب لفظ کے ایک بے معنی نقشہ

بن گیا اور عامل و معمول میں حسب ذیل گفتگو ہونے لگی ۔

عامل ۔ کیا ہے؟ کیوں درمیان میں رکاوٹ کیوں پیدا ہو گئی ۔

معمول ۔ ایک روح کچھ مراسلے بھیجنا چاہتی ہے، ہم لوگ اس کو اجازت دینے پر مجبور ہیں وہ آسانی سے لکھ نہیں سکتی لیکن ہمارے ذریعہ مراسلہ بھیجنا چاہتی ہے اس کا نام فنی ویٹوبی (Fanny Wetoby) ہے، تم اس کو جانتے ہو؟

عامل : مجھے یاد نہیں ۔

معمول : تمہاری ماں اچھی طرح جانتی ہیں وہ ان کی بہن ہوتی ہیں، تمہاری دنیا سے وہ گذشتہ مئی کی پندرہ کو رخصت ہوئی ہیں ۔

عامل : کیا اس کی شادی ہو چکی تھی؟

معمول : ہاں اس کا بیاہا نام کرکھم (Kirkham) ہے ۔

عامل : فینی کرکھم؟ ہاں اب مجھے کچھ دھندلی سی یاد آ رہی ہے وہ مارک بی (Markley) میں رہتی تھی ۔

معمول : وہ کہتی ہے کہ وہ آل فورڈ میں اس مکان میں پیدا ہوئی تھی جس میں اب سام اسٹونس رہتے ہیں، اس کے بعد وہ مارکبی میں رہنے لگی، اور بیاہ کے بعد بلیچ فورڈ (Bealchford.) میں رہی اور اس کا انتقال ہورن کیسل (Horn castle) میں ترسٹھ سال کی عمر میں ہوا، تم کو یاد نہیں؟ کہ تم سنہ ۱۹۲۵ء میں مرکبی میں اس سے ملے گئے تھے، اس وقت اس کی ماں الزبتھ کرکھم فوراً ہی ایک طویل بیماری سے

اٹھی تھی اور تمہاری ماں اپنی بہن کی عیادت کو گئی تھی، تم کو کھیت کے گرد گھمایا گیا تھا اور تم بکری پر چڑھے تھے، فینی نے تم کو گیہوں کے ڈھیر پر گرا دیا تھا جو وہاں ملا جار ہا تھا اور تم کو کیڑوں نے بڑے زور سے کاٹ لیا تھا، فینی چاہتی ہے کہ تم اپنی ماں سے اس کا ذکر کرو ۔

عامل : ہاں میں ذکر کروں گا لیکن کیا یہ مناسب ہے؟

معمول : تم ان کو تو اس معاملہ کی تحقیق کی رغبت تو نہ دلا سکو گے لیکن تم کو خود تشفی ہو جائے گی کہ تم سے جو کہا گیا ہے وہ صحیح ہے ۔

عامل : کیا اس کو کوئی پیغام بھی دینا ہے؟

معمول : وہ کہتی ہے کہ میں اپنی صلاحیتوں میں ناقص رہی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ میں "میری" سے ملوں، لیکن افسوس کہ ان کے پاس پہنچ نہیں سکتی ۔

عامل : کیا وہ یقین دلا سکتی ہے کہ وہ فینی ہے؟

معمول : وہ اس سے زیادہ ثبوت نہیں دے سکتی، البتہ اپنے باپ سے ڈوننگٹن اور اس کی سیڑھی کا قصہ پوچھ سکتے ہو ۔

عامل : میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ کیا قصہ ہے، بہتر ہے، میں پوچھوں گا، کچھ اور کہنا ہے؟ کیا وہ خوش ہے؟

معمول : وہ جس عالم میں ہے اس میں جتنا خوش رہنا چاہئے خوش ہے ۔

عامل : اس کو میرا پتہ کیسے معلوم ہو گیا؟

معمول: وہ اتفاقاً گھومتی ہوئی اپنی دوست مسز موسنر کے پاس گئی، وہاں معلوم ہوا کہ اس کے ذریعہ پیغام بھیج سکتی ہے اور اب وہ واپس جانا چاہتی ہے۔

عامل: کیا میں اس کی مدد کر سکتا ہوں؟

معمول: ہاں دعا کرو اور ہم لوگ سب تمہاری مدد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں بشرطیکہ تم مستعدی سے مدد پہنچانے کی کوشش کرو۔

عامل: اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

معمول: اس کا یہ مطلب ہے کہ سمجھ بوجھ کر ہمارے پیغامات پہنچاؤ، اس سے ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے، وہ بالا و برتر تم پر رحم کرے!

اس کے بعد اسٹنٹن موسنر نے اپنی ماں سے یہ واقعات دریافت کئے تو اس نے تصدیق کی اور اس کو حیرت ہوئی کہ یہ باتیں کیسے یاد رہ گئیں، وہ تو صرف پانچ برس کا تھا۔ اسٹنٹن موسنر نے اپنی ماں سے عمداً اس روحانی مراسلے کا ذکر نہیں کیا تھا، اس کے باپ نے بھی تصدیق کی کہ ڈوننگٹن میں وہ جس مکان میں تھا اس میں ایک سیڑھی تھی، مکان دو منزلہ تھا، اوپر کی منزل سے اچھے مناظر نظر آتے ہیں فینی کرکھم ان سے ملنے گئی، اوپر چڑھ رہی تھی کہ بیچ میں پھنس گئی، اس پر بڑی ہنسی ہوئی تھی۔

۴. ریسرچ سوسائٹی کے ایک ممبر نے ایک مرتبہ رپورٹ کی آنٹ اینی نے جو قضا کر گئی تھی ایک دن مسز پائپر کے مراسلات میں انگلینڈ میں کہا:

مجھکو نہایت افسوس ہے کہ چارلے (اس کا متبنٰی بیٹا) نے چڑیا کھالی

جس سے وہ بیمار ہو گیا اور اس کے پیٹ میں تکلیف ہو گئی اور چند دنوں تک بیمار رہا معلوم نہیں کیسی چڑیا تھی کہ اس کے کھانے سے وہ اتنا بیمار ہوا اور بڑی تکلیف اٹھائی، اس سے دریافت کرو، اس واقعہ کی صحت تم کو معلوم ہو جائے گی۔

یہ مراسلہ ۲۶ دسمبر ۱۸۹۶ کو پہنچا تھا یہ واقعہ کناڈا کا تھا اس لئے میں نے اپنی چچیری بہن کو جو اپنے بھائی سے ملنے کناڈا گئی تھی لکھا کہ وہ چارلے سے دریافت کرے کہ اس نے کرسمس کے زمانہ میں کوئی چڑیا کھائی تھی جس سے اس کو نقصان پہنچا تھا چونکہ اس استفسار کی کوئی اہمیت نہیں تھی اس لئے اس کا جواب دیر سے ستمبر ۱۸۹۰ء میں آیا کہ:

ابتداء دسمبر میں لڑکوں نے جنگلی مرغی شکار کی تھی، دو ہفتہ تک وہ مرغی یونہی لٹکی رہی، چونکہ شکار بے موسم کیا گیا تھا اور ان چڑیوں کو مارنے پر جرمانہ ہوتا تھا اس لئے اس کو پوشیدہ رکھنا ضروری تھا، کرسمس کے چند دن قبل ہم لوگوں نے اس کو کھایا، چارلے نے زیادہ کھا لیا، اس کے پہلے ہی یعنی شکار کے زمانہ سے اس کی طبیعت خراب تھی جس رات کو اس نے چڑیا کھائی تھی اسی رات کو یا دوسرے دن شہر چلا گیا، جب واپس آیا تو اس کی صحت زیادہ خراب تھی۔

۵. ڈاکٹر ہوڈسن بیان کرتے ہیں کہ انکے ایک چچا بہت ضعیف تھے جو لندن میں رہتے تھے وہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، ڈاکٹر ہوڈسن کے باپ چھوٹے تھے چار بھائیوں میں تین زندہ تھے، ایک قضا کر چکے تھے، ڈاکٹر ہوڈسن نے اپنے چچا کو روحانی مراسلات سے دلچسپی پیدا کرانے کی کوشش کی اور ان سے کہا کہ وہ اپنے متوفی بھائی کی

کوئی یادگار جوان کے استعمال میں رہی ہو بھیجدیں، ایک دن صبح کی ڈاک سے ایک نہایت کہنہ اور بوسیدہ سونے کی گھڑی پہنچی جو متوفی چچا لگایا کرتے تھے، اس کی خبر انہوں نے کسی کو نہ ہونے دی، ایک دن جب مسز پائپر عمل کر رہی تھیں وہ گھڑی ان کے ہاتھ میں دیدی، مسز پائپر فوراً بول اٹھیں کہ یہ ان کے متوفی چچا کی گھڑی ہے جو گر کر مر گئے تھے وہ اپنے بھائی "روبرٹ" (Robert) سے بہت زیادہ مانوس تھے، اس لئے مرنے کے بعد ان سے مراسلہ کرنے کے لئے بہت بے چین تھیں، مگر نام معلوم کرنے میں بڑی دقت ہوئی، آخر میں بڑی مشکل سے ڈاکٹر فیٹوٹ نے اس کو جری سمجھا جو جرمیا (نام ان کا جرمیا تھا) کا مخفف تھا، پہلے دن کا واقعہ تھا کہ جس روز گھڑی ملی تھی، ڈاکٹر ہوڈسن کہتے ہیں کہ میں نے رفتہ رفتہ مراسلہ بڑھایا، میری خواہش کہ ان سے ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات کے متعلق دریافت کیا جائے جس کی ان کے بھائی سے تصدیق کیجا سکے، چنانچہ بعد کو ان کے چچا جیری کی روح نے متفرق واقعات مثلاً جھیل میں سب لوگوں کا مل کر تیرنا اور ڈوب جانے کا خطرہ اسمتھ کے میدان میں بلی کو مارنا، چھوٹی سی رائفل پانا، سانپ کے چمڑے جیسا ایک چمڑا ملنا وغیرہ بیان کئے جن کی تصدیق دوسرے ذرائع سے ہو گئی

اس قسم کے اور بہت سے واقعات رپورٹ میں ہیں جن کی تصدیق اس کے مطالعہ سے ہو سکتی ہے۔

دور حاضر کے ان روحانی مراسلات میں مسلمانوں کے لئے کوئی حیرت کی بات نہیں

کیونکہ اسلام نے روح کے مستقل وجود کے متعلق صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ جسمانی موت کے بعد روحیں موجود رہتی ہیں، اور ان کے مقامات علّیین اور سجّین ہیں اور اسلامی تاریخ میں اس قسم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں، ان میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں:

اسلام کے مشہور فلسفی امام غزالی نے جن کو یورپ میں الغزل کہتے ہیں اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر آنے سے بہت پہلے ایک دن مکہ میں فرمایا: اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجعون خدا کی قسم حسینؓ شہید ہو گئے، لوگ اس خبر سے متحیر ہوئے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک شیشی خون سے بھری لئے ہوئے فرما رہے ہیں، میری امت نے میرے بچہ کو مار ڈالا، یہ اس کا اور اس کے رفیقوں کا خون ہے، میں اس کو خدا کے پاس لیجاتا ہوں، اس واقعہ کے چوبیس دن کے بعد حادثۂ کربلا کی خبر پہنچی (کیونکہ اس زمانہ میں رسل و رسائل آسان نہ تھے) اور معلوم ہوا کہ جس دن حضرت عبداللہؓ نے یہ خواب دیکھا تھا اسی دن حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہوئی تھی، یہ واقعہ چند دوسری کتابوں میں بھی درج ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روحیں موجود ہیں جو حالات دنیا سے واقف ہوتی ہیں۔

ابن عساکر نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے صاحبزادے

عبدالعزیز اپنے بزرگوں کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا کہ آپ کا کونسا عمل زیادہ کام آیا، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ توبہ کام آئی۔ ابن عابد دینار اور ابن جوزی نے صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے اور آپس میں یہ وعدہ کیا تھا کہ جو شخص پہلے مرے گا وہ زندہ بھائی کو عالم بالا کے حالات سے آگاہ کرے گا، صعب کا انتقال پہلے ہوا، عوف نے ان کو خواب میں دیکھا، پوچھا مرنے کے بعد کیسی گذری، کہا مشکل سے نجات حاصل ہوئی عوف نے صعب کی گردن پر ایک سیاہ نشان دیکھا دریافت کیا یہ کیا ہے؟ صعب نے کہا کہ یہ ایک یہودی کے قرض کی وجہ سے ہے جو ابتک میرے ذمہ واجب الادا ہے پھر کہا کہ میرے ترکش میں ایک بٹوا ہے اس میں کچھ نقد ہے، اس سے یہودی کا قرض ادا کردو، یہ بھی کہا کہ مجھے اپنے گھر کے سب واقعات معلوم ہیں، ایک بلی مرگئی ہے، چھ دنوں میں اس کی لڑکی مرنے والی ہے، اس خواب کے بعد عوف مصعب کے گھر گئے اور بٹوا ڈھونڈا، اس میں یہ رقم ملی جس سے یہودی کا قرض ادا کیا، بلی کے مرنے کا حال بھی معلوم ہوا، اس کی بھتیجی بخار میں مبتلا تھی جو چھٹے دن مرگئی۔

حاکم، بیہقی اور ابن عساکر وغیرہ نے صعب بن مصعب سے روایت کی ہے کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ چہارم کے ساتھ ایک قبرستان میں داخل ہوا آپ نے فرمایا السلام علیکم یا اہل القبور اور پوچھا کیا آپ لوگ کچھ اپنا حال بتائیں گے اور مجھ سے کچھ سنیں گے، صعب کہتے ہیں میں نے آواز سنی وعلیکم السلام

یا امیر المؤمنین آپ فرمائیں کہ ہمارے بعد کیا واقعات ہوئے، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہاری بیویوں نے دوسری شادیاں کرلی ہیں، تمہاری معیشتیں تقسیم ہوگئیں، تمہاری اولاد یتیم ہوگئی، تمہارے گھر جن کو تم نے مستحکم بنایا تھا تمہارے دشمن کے قبضہ میں آگئے، یہ خبریں یہاں کی ہیں، اب تم اپنی کہو، روح نے جواب دیا کہ ہمارے لباس بوسیدہ ہوگئے، بال بکھر گئے، چہرے بدل گئے، آنکھیں گالوں پر بہہ آئیں، ریم نتھنوں سے جاری ہے، ہم نے یہاں وہ پایا جو بھیجا تھا اور وہ کھویا جو چھوڑا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے اپنی کتاب انفاس العارفین میں اپنے والد بزرگوار کے قصوں کے ساتھ یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ ان کے والد شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں مرزا محمد زاہد ساکن ہرات کے یہاں سے جو ہم لوگوں کو اکبر آباد میں پڑھاتے تھے واپسی میں ایک پتلی گلی سے گذر رہا تھا، سناٹے کا عالم تھا میں آہستہ آہستہ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس قطعہ کے مصرعے گنگناتا جارہا تھا۔

گر جز بیاد حق بکنی عمر ضائع است — ور جز حدیث یار بخوانی بطالت است

سعدی بشوز لوحِ دل نقشِ غیرِ حق — ... ...

چوتھا مصرع ذہن سے اتر گیا، بہت کوشش کی مگر یاد نہ آیا جس سے الجھن سی پیدا ہوگئی، یکایک دیکھا کہ ایک بزرگ جن کا چہرہ سانولا اور بال بالکل سفید اور نقشہ خوبصورت تھا میرے پاس سے گذرے اور فرمایا ع

علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

میں بہت خوش ہوا اور کہا "جزاک اللہ خیرا" اور ایک بڑا پان کا بڑھایا اس کے لینے سے انہوں نے انکار کیا اور روانہ ہوگئے، جب وہ دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے تو میں نے سمجھا کہ یہ اس عالم کے آدمی نہیں ہیں اور میں نے جلدی سے پوچھا مہربانی فرماکر اپنا نام بتا دیجئے کہ فاتحہ سے یاد کروں، فرمایا "ہمیں فقیر سعدی ست" یہ کہکر نگاہ سے اوجھل ہوگئے۔

اسی کتاب انفاس العارفین میں درج ہے کہ مولانا شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے والد ماجد شاہ وجیہہ الدین رحمۃ اللہ علیہ شہادت کے بعد اکثر میرے سامنے مجسم تشریف لاتے اور مجھے گذشتہ اور آئندہ کی خبریں سناتے، ایک دفعہ میرے بھائی کی لڑکی کریمہ بیمار پڑی اور علالت نے طول پکڑا، ایک دن میں اپنے حجرہ میں تنہا بیٹھا تھا کہ یکایک والد رحمۃ اللہ علیہ ظاہر ہوئے اور فرمایا:

"کریمہ کو دیکھنا چاہتا ہوں لیکن اسکے علاوہ وہاں کوئی اور عورت نہ ہو، مجھے ان کے سامنے ہونا برا معلوم ہوتا ہے"۔

میں نے ایک پردہ ڈال دیا، دوسری عورتیں پردہ کی آڑ میں ہوگئیں، اور والد صاحب میرے سامنے کریمہ کے پاس تشریف لے گئے، کریمہ بول اٹھی: یہ لوگ کہتے تھے یہ مرگئے مگر یہ تو زندہ ہیں!! فرمایا بیٹی! تم نے بہت مصیبت جھیلی، انشاء اللہ کل صبح تم کو صحت کامل ہوجائے گی، یہ کہکر دروازہ کے باہر نکل گئے، میں بھی پیچھے چلا، حکم ہوا.. لوٹ جاؤ، اور نظر سے اوجھل ہوگئے، اس کے دوسرے دن صبح کو کریمہ کا انتقال ہوگیا

ایسے بے شمار قصے ہیں جو کتابوں میں بھی درج ہیں اور زندہ لوگوں کے

تجربہ میں بھی آتے رہتے ہیں، میں نے خود بارہا ان کا تجربہ کیا ہے، اور بعض لوگوں نے مجھ سے اپنے تجربے بیان کئے ہیں، میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اس طرح کے واقعات ہمیشہ صحیح اور واقعی عالم ارواح کے انکشافات ہوتے ہیں لیکن بعض صحیح بھی ہوتے ہیں اس سے اس کا مطلق انکار درست نہیں، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو مرنے کے بعد کی زندگی کے قائل ہیں اور آنے والی زندگی کے خیال سے اعمال میں احتیاط برتتے ہیں کہ ان سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جس سے اس عالم میں رنج و مصیبت کا سامنا کرنا پڑے، یہ مضمون مزید وضاحت و تفصیل کا طالب تھا مگر میں نے اس سے زیادہ تفصیل میں پڑنا اسلئے مناسب نہیں سمجھا کہ اس زمانہ میں اس کے خشک موضوع سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی

آخر میں اس کی تصریح کردینا ضروری ہے کہ ان روحانی اعمال کو نہ علم غیب سے کوئی تعلق ہے اور نہ کسی مافوق البشری طاقت سے بلکہ یہ صرف روحانی مشق اور ممارست کے کرشمے ہیں کہ جن کو ہر شخص مشق سے حاصل کرسکتا ہے اور اس سے کسی انسان کو نفع وضرر نہیں پہنچ سکتا ہے اور نہ پہنچایا جاسکتا ہے، علم غیب اور نفع ضرر صرف خدائے مطلق کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے اس عمل سے عقیدہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت محض روحانی کرشمہ کی ہے جس سے بعض بزرگوں نے روحانی واخلاقی فائدے بھی حاصل کئے ہیں، اس سے زیادہ سے زیادہ دوسروں کی رشد و ہدایت کا کام لیا جاسکتا ہے جیسا کہ بزرگوں کے حالات سے

ہوتا ہے، باقی ہر طرح کی قدرت صرف خدائے واحد کے اختیار میں ہے۔ اور اس کے حکم و منشا کے بغیر بڑے سے بڑا روحانی انسان بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

میں نے یہ مضمون پہلے انگریزی زبان میں لکھا تھا اسلئے اس کو انگریزی زبان کے ایک مشہور شاعر "لانگ فیلو" کے مشہور واقعہ پر ختم کیا تھا اس کو یہاں درج کر دینا نفع سے خالی نہیں، انہوں نے اپنے مرنے کے بعد فوراً عالم ارواح سے ریسرچ سوسائٹی کے ایک ممبر کو ذیل کا مراسلہ بھیجا۔

"میں بستر مرگ پر تھا کہ یکایک میں نے اپنے آپ کو ایک سبزہ زار میں پایا جس کی فضا بڑی خوشگوار اور جس کا منظر نہایت دل کش تھا یہ کیونکر ہوا، مجھے معلوم نہیں مگر میں نے گمان کیا کہ یہ موت ہے، مجھے مسرت معلوم ہوئی کیونکہ میں اپنے ان دوستوں سے ملنا چاہتا تھا جو مجھ سے قبل اس عالم میں پہنچ گئے تھے، تھوڑی دیر میں نہایت سرور انگیز آوازیں سنائی دینے لگیں، معلوم ہوتا تھا کہ ایک جماعت ایک جھاڑی سے خوشی سے مست کچھ گاتی ہوئی میری طرف بڑھی آرہی ہے اور مجھے ان الفاظ میں نجات کی مبارک باد دے رہی ہے کہ تم اپنے اس عقیدہ کی بدولت جو حیات بعد الموت کے متعلق رکھتے تھے اور اس نظم کے صلہ میں جو روح کی دائمی زندگی کے بارے میں لکھی تھی نجات پاگئے"

ان کی نظم کا ایک شعر یہ ہے:

LIPE IS REAL LIPE IN EARNEST
DEATH IS NOT ITS GOAL
DUST THY ART TO TUST RETURNETH
WAS NOTSPOKEN OFTHESOUL.

یعنی حیات ایک حقیقت ہے اور حیات کو اہمیت ہے، موت اس کی انتہا نہیں "تم خاک کے ہو اور خاک میں ملنا ہے" روح کے بارہ میں نہیں کہا گیا ہے

اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ اس طرح کے مراسلات نیکی اور بزرگی پر موقوف نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ روح کو کچھ چین ہونا چاہئیے جو بے چین ہیں اُن کو اس کی فرصت کہاں، دوسری بات یہ کہ یورپ کے تمام مراسلے ایسا منظر پیش کرتے ہیں جس حیثیت کی نعمتوں اور خاص رحمتوں کا ذکر نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی تھیں جن کو محض اعراف نصیب ہوا اور یہ ان کے عمل صالح کی وجہ سے ہے۔ بعض روحیں ایسی بھی آئیں جن کو پریشانی اور بے چینی بھی معلوم ہوئی۔

ریمنڈ کے مراسلوں میں سے جو سر اولیور لاج نے کئے ان میں سے ایک مراسلہ ایک راز ظاہر کرتا ہے اس کو بھی یہاں درج کر دینا لطف سے خالی نہیں

ایک دن ریمنڈ کی روح نے اپنے باپ سر اولیور لاج سے مراسلے کے درمیان کہا" وہ بہت بڑا ہے، اس کی شان بہت بڑی ہے، وہ کرائسٹ سے بھی بڑا ہے۔

اس کے دربار میں بہت رعب ہے، وہ بہت مہربان ہے، وہ بہت بڑا ہے، لیکن خدا نہیں ہے"۔

اس کتاب کو مجھ سے پہلے بابو اودھ بہاری نے جو ہمارے کالج کے عربی و فارسی کے صدر مدرس تھے اور دینیات سے شغف رکھتے تھے بلکہ نو مسلم اور متقی تھے، پہلے پڑھ لیا تھا انہوں نے مجھکو دکھایا اور نیچے اس کے انگریزی میں نوٹ لکھا ہوا دکھلایا جس کو سر لاج نے لکھا تھا:

"یہ بات سمجھ میں نہیں آتی یہ کون شخصیت ہے؟

انہوں نے مجھ سے پوچھا تم سمجھتے ہو یہ کون شخصیت ہے؟ جس کا ریمنڈ ذکر کرتا ہے میں نے کہا یہ شخصیت تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، وہ مسکرائے کہ ہاں تم ٹھیک سمجھتے ہو، اس کو لاج بیچارہ کہاں سے سمجھ پائے گا۔

اگر روحانی مراسلات ترقی کر جائیں گے تو بہت سے اسرار ظاہر ہو جائیں گے اور ہمارے معتقدات کی تصدیق ہو جائے گی۔ ایک دن میں یہ کتاب ڈھونڈ رہا تھا، لائبریری میں معلوم ہوا کہ پروفیسر سین کے پاس ہے، میں ان سے مانگنے گیا وہ بولے کہ مولانا اس کتاب سے تو مذہب کی تردید ہوتی ہے، میں نے کہا کیوں؟ بولے یہ تو کہتا ہے کہ روح کی ایک دنیا الگ ہے، اور ہم لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے اور پھر دوسری زندگی پاتی ہے، میں نے کہا کہ یہ ہمارے مذہبی عقیدے کی تصدیق کرتی ہے، ہمارا یہ ہی عقیدہ ہے کہ روح دوبارہ

جسم نہیں پاتی بلکہ ایک روحانی دنیا الگ ہے روح وہیں رہتی ہے۔ وہ بے ساختہ بول اٹھے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا ہی عقیدہ صحیح ہے

نوٹ:

میرے دوستو! یہ بظاہر اس دور اور زمانہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ میں نے آپ کے سامنے روح کا مسئلہ پیش کیا ہے میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ اس چھوٹے سے رسالے کو پڑھکر روح کی حقیقت سے واقف ہو جائیں گے، لیکن میرا منشا آپ کو روح کی طرف متوجہ کرنا ہے، مادیت کی تحقیقات اور مادیت کی طاقت کی تفتیش کیطرف دنیا بڑی شدت کے ساتھ متوجہ ہے، میں اس کی مثال یوں سمجھتا ہوں کہ ایک مستری کے سامنے ایک انجن رکھ دیا گیا ہے۔ وہ اس کے پرزوں کی تفتیش اور تحقیق بڑی توجہ کے ساتھ کر رہا ہے اور یہ بھی معلوم کرنا چاہ رہا ہے کہ کس پرزے کا کیا کام ہے اور اس کو کہاں پر رکھنا چاہئے، کس دھات کا بنا ہوا ہے، اور اسکی مضبوطی کس درجہ کی ہے، لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں کہ یہ انجن کس طاقت سے چلتا ہے، یعنی کسی گیس کی مدد سے یا اسٹیم سے، اسٹیم کہاں پیدا ہوتی ہے اور گیس کہاں بنتی ہے اور کس راستے آتی ہے اور کس طرح پسٹن کو دباتی ہے، میں ایسے مستری کی کامیابی سے مطمئن نہیں ہوں، اس کو یوں سمجھئے کہ آپ کو دوران خون کا علم حاصل ہو گیا، خون کے جراثیم کو دیکھنے اور سمجھنے میں آپ کامیاب ہو گئے، قلب

کی حرکت سے واقف ہو گئے. معدے کے فعل کو بھی اچھی طرح جان لیا، لیکن آپ نے کبھی یہ نہ سوچا کہ اس جسم انسانی میں زندگی کس طرح آتی ہے اور کس طرح چلی جاتی ہے، وہ کیا چیز ہے جو زندہ کرتی ہے اور جس کے غائب ہو جانے سے ایک جسم انسانی کو مردہ کہتے ہیں. میری غرض یہ ہے کہ آپ روح یا اسپرٹ سے تو بالکل ناواقف ہیں لیکن آپ کا حوصلہ یہ ہے کہ آپ انسانیت کو بہت بلند کریں، ہمارے بہتیرے احباب اس پر نازاں ہیں کہ انسانیت نے بہت ترقی کی ہے اور کر رہی ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انسانیت نے اس سے کہیں زیادہ ترقی کی ہوتی اگر ہم لوگ اس بات کو جان لیتے کہ انسان اپنے جسم کے اندر جو آلات رکھتا ہے جن سے ہم دیکھتے اور سنتے ہیں، کسی امر کی تحقیق یا تصدیق کرتے ہیں، اُن آلات کی طاقت کس چیز پر ہے اور کس طرح اس طاقت کو بڑھایا جا سکتا ہے، اور اس کا مرکز کہاں ہے، اور اس مرکز میں کہاں تک ترقی کرنے کی صلاحیت ہے، افسوس تو یہ ہے کہ جب ہم آپ کے سامنے "روح" کے تعلقات اور روح کی حیرت انگیز طاقت کا ذکر کرتے ہیں تو آپ ہماری باتوں کو ایک افسانے کے برابر بھی نہیں سمجھتے ہیں، اسکی قدر نہیں کرتے اور اس کو لغو سمجھتے ہیں سبب اس کا یہ ہے کہ آپ اپنی مادی آلات جن سے ان چیزوں کو یعنی روحانی کارناموں کو محسوس نہیں کر سکتے اپنے آپ سمجھتے ہیں کہ جو چیز ان کے حواس خمسہ سے محسوس اور معلوم نہ کیجا سکے وہ موجود ہی نہیں پھر بھی "ایتھر" کا وجود مانتے ہیں اور شائد اس لئے مانتے ہیں کہ آپ اس کے آثار

اپنے حواس خمسہ سے محسوس کرنے کے لائق ہو گئے ہیں، اگر ہم آپ کو یہ کہیں کہ کسی بزرگ نے ایک مردے کو قم باذن اللہ کہا اور وہ اٹھ گیا تو آپ اس کو باور نہیں کرینگے اور اگر یہ کہیں کہ ایک انسان نے ایک دو مردے کو قم باذنی کہا اور وہ زندہ ہو گیا، تو شاید آپ اس کو زیادہ لغو سمجھیں گے، ہم آپ کے سامنے جب کہتے ہیں کہ ایک انسان نے ایک دوسرے انسان کو جو تقریباً دو سو میل دو تھا یہ کہا کہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں نے خدا کو بے دلیل مانا، اس مرتے ہوئے بزرگ کے کان میں یہ آواز پہونچی تو آپ اس کو باور نہ کریں گے، اسی طرح آپ شاید اس امر کو بھی باور نہ کرتے ہوں گے کہ ایک انسان نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور آپ کے پاس ایک زبردست دلیل ہے کہ یہ باتیں عقل میں نہیں آتیں.

میرے دوستو! یہ عقل جس پر ہمیں ناز ہے وہ ہمیں اس لئے دی گئی ہے کہ ہم اپنے آلات (حواس خمسہ) کے ذریعہ کچھ چیزوں کو محسوس کر کے اپنی زندگی کے کاروبار میں مدد لیں. تھرمامیٹر سے اگر ہم بیرومیٹر کا کام لینا چاہیں تو آپ ہمیں یقیناً پاگل سمجھیں گے اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ حواس خمسہ سے ہم روحانی طاقت کو محسوس نہیں کرتے ہیں تو مجھے بہت ہنسی آتی ہے. بہر کیف میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خالق اکبر نے نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فرما کر مجھے اس امر کی طرف متوجہ کر دیا ہے کہ وہ چیز جس سے ہمارا نمو، اور ہماری حیات کا تعلق ہے وہ چیز وہ ہے جو اس قادر مطلق کی روح سے نکل کر ہمارے جسم میں آئی ہے، جس جسم میں وہ چیز نہیں ہے یا غائب ہو گئی ہے وہ مردہ اور بے جان ہے

اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہے کہ روح وہ چیز ہے جو خدا کی روح سے تعلق رکھتی ہے، آپ تجربہ کرتے ہیں کہ کسی پاور ہاؤس سے جب کوئی تار جوڑ دیا جاتا ہے تو اس تار کے ذریعہ سے اتنی طاقت کھنچ سکتی ہے جتنی اس پاور ہاؤس میں ہے، میری اس تمثیل سے یہ غرض ہے کہ روح کی ترقی کیجائے تو اس کے ذریعہ اتنا بڑا کام انجام دیا جاسکتا ہے جو ایٹمک انرجی سے انجام پانا ناممکن ہے۔ آپ نے ابھی تک اس بڑی طاقت کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہے، روح کو جاننے سے اپنی حقیقت کا جان لینا بہت ضروری ہے کیونکہ آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آپکا وجود کن چیزوں پر منحصر ہے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ ہمارے وجود کا قائم رہنا روٹی پر موقوف ہے اور ساری دنیا اسی کے پیچھے دوڑ رہی ہے، لیکن کبھی کسی نے یہ نہیں سوچا کہ روٹی خون کیسے بن جاتی ہے، اور اس خون سے زندگی کے آلات کس طرح بنتے ہیں۔ کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اس بات کو سوچے کہ قلب، جگر پھیپھڑے اور معدے کی حرکت کس طرح پیدا ہوتی ہے اور کس طرح قائم رہتی ہے ؟ کسی ایسے جسم کے اندر جس کی نبض نہ چلتی ہو، ہم روٹیاں بھر دیں تو اس روٹی کا کیا حشر ہوگا۔ وہ چیز جس پر سائینس کا دارومدار ہے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور ہم اس سے غافل ہیں، اس کو صوفیا علم حقیقت کہتے ہیں۔ دنیا علم مجاز میں الجھی ہوئی ہے اور مادہ ہی کو اصل حقیقت سمجھے ہوئے ہے، لیکن اس طاقت کو جس کے حکم کُن سے آسمان و زمین، حیوانات و نباتات سب کا وجود یکایک ظاہر

ہو گیا اس کی طرف توجہ نہیں ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

اے آنکھ والو عبرت حاصل کرو.....

روحانی دنیا ایک نظر میں

روح کیا ہے ؟

روح کے متعلق مختلف مذاہب کے نظریات

روح کی حقیقت

روح اور اسلام

روح میں قوتِ احساس و ادراک

روح کے احساس و شعور پر قرآن وحدیث سے استدلال ۔

کیا سائنس یا مادیت اور روحانیت میں مطابقت ممکن ہے ؟

روح سے مراسلت اور لندن کی ریسرچ سوسائٹی ۔

روحانیت کی دعوت

ہر قسم کی کتابیں ملنے کا پتہ مکتبہ دار الفکر دیوبند ضلع سہارنپور یوپی
MAKTABA, DARULFEKR, DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR, U.P.